ہندوستان

کی

قدیم اسلامی درسگاہیں

از

مولوی ابوالحسنات ندوی مرحوم سابق رفیق دارالمصنفین

معارف کے ایک سلسلہ مضامین کا مجموعہ

باہتمام مسعود علی ندوی

مطبع معارف اعظم گڈھ میں چھپی

۱۳۵۵ھ
۱۹۳۶ء

فہرست مضامین

ہندوستان کی قدیم درسگاہیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مقدمہ

مصنف اور تصنیف

پیش نظر اوراق معارف سنہ ۱۹۱۹ء کے ایک مسلسل مضمون کا مجموعہ ہے، جو رسالہ مذکور کے مختلف نمبرون مین چھپتا رہا تھا، اہل نظر نے اس کو بیحد پسند کیا تھا، اور ان کی تجویز تھی کہ یہ ایک کتاب کی صورت مین یکجا ہو جائے، اس وقت مصنف کی علالت کے طویل سلسلہ نے اس تجویز کو عمل مین آنے نہ دیا، پنجاب کے ایک پبلشر نے اس کو اسی زمانہ مین چھاپا تو پوری کتاب مسخ ہو گئی، اور اہل علم تک وہ پہنچی بھی نہین، خود مصنف مرحوم اس طویل علالت سے جانبر نہ ہو سکا، اور نوجوانی کے عالم مین ہزارون علمی و سیاسی آرزوون کے ساتھ اس دنیا کو الوداع کہا،

مصنف اس کتاب کے مصنف مولوی ابو الحسنات عبد الشکور ندوی مرحوم صوبہ بہار ضلع پٹنہ کے ایک گاؤن اشرف پور کے رہنے والے تھے، جو صوبہ بہار کے

مشہور مردم خیز گاؤن ڈیاوان اور نگر نہسہ کے قرب وجوار میں واقع ہی، مرحوم سے میری اتفاقی ملاقات ۱۹۱۳ء مین الہلال کلکتہ کے دفتر مین ہوئی، اس وقت وہ نوخیز تھے، مگر ذہانت کے آثار نمایان تھے، وہ قطبی ومختصر معانی وغیرہ تک پہنچے تھے کہ اسلامی سیاسی جوش کی کشش نے ان کو ہلالِ کلکتہ تک پہنچا دیا،

اس کے بعد وہ مجھ سے بار بار ملتے رہے، مین نے ان کو جوہر قابل پاکر ہنگامی سیاسی شورش کے بجائے علم کی تکمیل کا شوق دلایا، اور جب تک کلکتہ مین رہا خود ان کو پڑھاتا رہا، پھر جب چند مہینون کے بعد مجھے دکن کالج کی ایک مستقل خدمت پر پونہ جانا ہوا تو ان کو دارالعلوم ندوہ مین لکھنؤ بھجوادیا، جہان وہ ۱۹۱۶ء تک تعلیم پاتے رہے،

فارسی شاعری کا ذوق ان کو فطرۃً تھا، کسی استاد کے بغیر وہ فارسی مین غزلین اور قصیدے لکھتے تھے، ۱۹۱۴ء مین مولانا شبلی مرحوم کی اخیر عمر مین انھون نے اپنا ایک فارسی قصیدہ مولانا کی خدمت مین بھیجا تھا، جس کو دیکھ کر مولانا نے ان کی نسبت حسب ذیل الفاظ لکھے،

"عبدالشکور کا ایک قصیدہ ملا۔ . . قصیدہ مین کچھ غلطیان اور کمزوریان ہین، لیکن طبیعت مین قابلیت ہے، اس لئے بہت جلد یہ خامیان نکل جائینگی"، (مکاتیب بنام مولوی مسعود علی صاحب ندوی ص ۲۵)

یہ بھی اُن لوگون مین تھے، جن کو مولانا مرحوم اپنے زیر تجویز دارالمصنفین مین لینا چاہتے تھے، اس لئے مولانا مرحوم کی وفات کے بعد جب دارالمصنفین قائم ہوا، تو یہ بھی بلائے گئے، اور تقریباً چھ برس (۱۹۱۸ء سے ۱۹۲۴ء تک یہ دارالمصنفین کے زیر تربیت رہے،

اس اثنا مین ان کے قلم سے بیسیون دلچسپ اور اہم مضمون معارف اور دوسرے رسالون مین نکلتے اور چھپتے رہے، چنانچہ جنگِ عظیم کے خاتمہ پر ترکون کی مدافعت مین ہندوستانی زبان مین سب سے پہلا مضمون انھین کا نکلا، جو اُس وقت بہت پسند کیا گیا، اور لوگون نے اس کو علٰحدہ چھاپکر شائع کیا،

ان کی ذات سے ہم کو اور مسلمانون کو بہت کچھ امیدین تھین لیکن خدا کی مرضی سب مرضیون پر غالب ہی، ایک طویل علالت کے بعد ۱۲ ربیع الثانی ۱۳۴۳ھ مطابق نومبر ۱۹۲۴ء کو راجگیر (بہار) مین جہان وہ آب و ہوا کی تبدیل کو گئے ہوئے تھے، داعیِ اجل کو لبیک کہا،

تصنیف ہندوستان مین مسلمانون کی سیاسی تاریخین تو بہت لکھی گئین، مگر افسوس ہے، کہ ان کی علمی تاریخ گویا لکھی ہی نہین گئی، اسی لئے ہندوستان مین مسلمانون کے علمی کارنامے بہت ماند معلوم ہوتے ہین، حالانکہ حقیقت یہ نہین ہے، انتہا یہ ہے کہ ہندوستان مین مسلمانون کے مدرسون اور تعلیم گاہون کا حال بھی کہین کسی کتاب مین مستقل عنوان کے ساتھ نظر نہین آئیگا، یہی سبب ہے کہ ہمارے ایک مشہور مورخ کو یہ دھوکا ہو گیا کہ ہندوستان مین مسلمانون نے مدرسہ کے نام سے کوئی عمارت بنائی ہی نہین،

اسی لئے خیال تھا کہ ہندوستان کے اسلامی مدرسون کے حالات کتابون سے چنکر علٰحدہ لکھے جائین، اس رسالہ کے مرحوم مصنف نے میری اس خواہش کی تکمیل کی، اور جہان جہان سے کوئی ذرہ ان کو ہاتھ آیا، اس کو ایک جگہ کرکے معلومات کا ڈھیر ہمارے سامنے لگا دیا،

افسوس پر افسوس یہ ہے کہ پرانے مورخون کو بادشاہون کی لڑائیون اور درباریون کے تماشون کے سوا قوم کے تمدنی و علمی حالات کے بیان مین بہت کم لطف آتا تھا، اس لئے ان کی کتابون مین اس قسم کے معلومات بہت کم ملتے ہین، اگر اس ملک کی تاریخ پوری طرح لکھی جاتی تو یہان کے علمی کارنامے کچھ کم روشن نہ ہوتے،

محمد تغلق کے زمانہ مین مصر اور ہندوستان مین آمد و رفت کے تعلقات بہت بڑھ گئے تھے، اس زمانہ کی ایک مصری تصنیف مین ہندوستان کے سیاحون کی زبانی یہ منقول ہے، کہ "صرف ہندوستان کے پایہ تخت دہلی مین اس وقت ایک ہزار مدرسے تھے، جنمین سے ایک شافعیون کا اور باقی سب حنفیون کے تھے[1] ۔ ۔ ۔"

یہ تو آغاز کا حال تھا، انجام سنئے، اورنگ زیب عالمگیر کے زمانہ کا ایک یورپین سیاح کپتان الگزنڈر ہملٹن سندھ کے ایک شہر ٹھٹھ کی نسبت لکھتا ہے،

"شہر ٹھٹھ مین مختلف علم و فن کے چار سو مدرسے ہین[2]"

قیاس کن زگلستانِ من بہارِ مرا

اب دلی کے ان ایک ہزار اور ٹھٹھ کے ان چار سو مدرسون کا حال کون بتا سکتا ہے؟

بہر حال ایک طالب علم کی کوششون سے ہندوستان کے اسلامی مدرسون اور تعلیم گاہون کا جو کچھ حال معلوم ہو سکا ہے، وہ آیندہ اوراق مین آپکے سامنے ہے،

سید سلیمان ندوی

۱۲ مارچ سنہ ۱۹۳۶ء

---

[1] صبح الاعشیٰ قلقشندی جلد ۵ صفحہ ۶۹ مصر، [2] مرزا سمیع اللہ بیگ کی کتاب "ہندوستان عہد عالمگیر مین"

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مقدمہ

ہندوستان کی اسلامی تاریخ جن کثیر و متنوع اجزار پر مشتمل ہے، ان مین تعلیم کا حصہ خاص طور پر عظمت و اہمیت رکھتا ہے ہارہوین صدی ہجری کا ہندوستان پانچوین صدی ہجری کے ہندوستان سے جس طرح تمدنی، معاشرتی اور سیاسی حالات مین مختلف ہے، بعینہ وہ اپنی دماغی و علمی کیفیات مین بھی اس سے علانیہ جداگانہ ہے، یہ اختلاف اور یہ تغیر کیونکر اور کس طرح پیدا ہوا؟ اور اس کی تدریجی و ارتقائی رفتار کیا رہی؟ اس کی تفصیل کا یہ موقع نہین، اور نہ اس کتاب ہی مین (جس کا یہ مقدمہ ہے) اس پر بحث کیگئی ہے، البتہ اس کے متعدد اسباب مین سے ایک سبب "تعلیم اور اس کی توسیع واشاعت" سے متعلق تاریخی معلومات کا ایک سرسری خاکہ اس مین کھینچا گیا ہے، اور اسی بحث کے متعدد پہلوؤن کو اس مین نمایان کیا گیا ہے،

ایک علمی و تاریخی خطبہ کے طور پر اجلاس ندوۃ العلمار مین پیش کرنے کی ضرورت سے مین نے اس کو اپنا موضوع قرار دیا تھا، یہ ایک محدود اور ہنگامی ضرورت تھی، کسی مجمع عام کے

روبرو کسی موضوع پر تقریر کرنے کے لئے یہ ضروری نہین کہ اس پر نہایت تفصیلی اور جزوی بحث کی جائے، اس لئے اس کے ہر حصۂ بیان مین اجمال ہی سے کام لیا گیا ہے، لیکن ہان چونکہ یہ ایک تاریخی عنوان تھا اس لئے بیان کا ہر جزو تاریخی حوالون اور معتبر و مستند ماخذون پر مبنی ہے، تاہم مزید سعی و محنت کے بعد جس تفحص و استقصا کے ساتھ اس پر قلم اٹھایا جاسکتا تھا مجھے علانیہ اقرار ہے، کہ وہ اس کتاب مین نہین ہے اور یہ یقینی ہے کہ اس عنوان کے متعلق پیش نظر مواد تاریخی سے کہین زیادہ معلومات ابھی اور جمع ہو سکتی ہین، اس کا یقین اس طرح ہوا کہ قدیم تاریخی کتابون کی جو تصنیفی نوعیت ہے، اور ان مین جس طرح کے واقعات کا انبار ہوتا ہے اس کو دیکھ کر پہلے پہل اس عنوان کو ہاتھ لگاتے ہوئے طبیعت جھجکتی تھی، لیکن معظم و محترم جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے اصرار آمیز ارشاد نے مجبور کر دیا، اور بالآخر جب مین نے اس مقصد کے لئے صفحاتِ تاریخ کا مطالعہ شروع کیا تو بحمد اللہ اپنی محنت و جانفشانی بیکار نہ گئی، اور تلاش و جستجو کا قدم جتنا آگے بڑھتا گیا اتنا ہی امید سے کہین زیادہ وسیع اور کشادہ میدان نظر آیا،

سر دست چونکہ حصولِ معلومات کا بہت محدود ذخیرہ پیش نظر تھا، اس لئے اس تلاش و سعی کے نتائج سے جو ناتمام مرقع تیار ہو سکا وہ آیندہ صفحات مین نظر آئیگا، اس کتاب کی تالیف مین جن کتابون سے مدد لی گئی ہے، ان کے حوالے اصل کتاب مین موجود ہین، نیز اس لئے کہ وہ عام اور متداول کتابین ہین، یہان ان کے جداگانہ تذکرہ کی ضرورت نہین معلوم ہوتی، کوئی نایاب و نادر کتاب پیش نظر نہ تھی جس کا خصوصیت کے ساتھ ذکر کیا جائے، البتہ قلمی نسخہ

PROMOTION OF LEARNING IN INDIA DURING MOHAMMADAN RULE

خلاصۃ التواریخ اور ایک اور انگریزی کتاب

کا تذکرہ ضروری ہے، ان دونون کتابون کے مصنف ہندو ہین، اول الذکر عالمگیر کے زمانہ کی تصنیف ہے، اور مجھے اس کا قلمی نسخہ کتب خانہ الاصلاح دسنہ (صوبۂ بہار) سے دستیاب ہوا، آخر الذکر موجودہ زمانہ کے ایک بنگالی ہندو مصنف کے قلم سے نکلی ہوئی کتاب ہے، اس مین مسلمان حکمرانون کی علمی و تعلیمی دلچسپیون، مدارس و مکاتب، علما و مصنفین اور کتبخانون کا تذکرہ ہے، گو مصنف اصل زبان (فارسی) سے ناواقف معلوم ہوتا ہے اور اس نے غیر ذمہ دار اشخاص کی نقل و ترجمہ پر اعتماد کیا ہے، اس لئے کہین کہین خامیان، سہو و خطا بلکہ غلطیان بھی نظر آتی ہین، تاہم عام طور پر کتاب اپنے موضوع مین کامیاب ہے اور مصنف کی محنت و کوشش ہر طرح مستحقِ تحسین و آفرین، اس موقع پر مسلمان انگریزی دان طبقہ سے یہ سوال دلچسپ ہوگا، کہ یہ فرض اس کا تھا یا کسی اور کا؟ خدارا وہ انصاف کو پیش نظر رکھ کر اس کا جواب دے،

تاریخ کی متداول فارسی کتابین تاریخ ہند کا مکمل مجموعہ نہین ہین، اُن کے علاوہ اور بھی مفید و ضروری کتابین ہین جو اس کتاب کی تالیف و ترتیب کے وقت میسر نہ آسکین، اور اُنکے حصول کیلئے اقطاعِ ملک کے مختلف مشہور و عام کتبخانون کی سیر، نیز ذاتی کتب خانون تک رسائی حاصل کرنا بہت ضروری ہے، علاوہ ازین عہد اسلامی مین ہندوستان کی علمی و تعلیمی ترقی کو دکھانے کے لئے بزرگانِ دین، مشائخِ کبار، اور دیگر علماء و فضلا کی سوانحعمریان نیز اُن کے ملفوظات و مکتوبات کی ورق گردانی نہایت ضروری ہے، یہی چیزین وہ تاریخی سرمایہ ہین جن کا تفصیلی مطالعہ ہندوستان کی گذشتہ علمی و تعلیمی ترقیون کی تصویر ہماری آنکھون کے سامنے کھینچ دیگا،

لیکن اس موقع پر ایک اور ذخیرۂ معلومات کی طرف اشارہ کرنا بھی ضروری معلوم ہوتا ہے، جو اپنی صحت و واقعیت مین تاریخی کتابون کی روایات سے کہین زیادہ بہتر اور عمدہ ہے، یعنی مسلمان حکمرانون کے فرامین جواب تک ہندوستان کے مختلف ہندو مسلمان خاندانون مین محفوظ و موجود ہین، یہ تمام فرمان تاریخ ہند کا ایک گران بہا اور وسیع سرمایہ ہین، ان سے ہندوستان کی گذشتہ تاریخ کے مختلف پہلوؤن پر روشنی پڑتی ہے، مجھے یقین کامل ہے کہ ان مین جہان اور ضروری باتین ملین گی، وہین اس ملک کے مسلم فرمانرواؤن نے ملک کی ترقی کے لئے علم وفن کی اشاعت مین جو کوششین کی ہین ان کی تصریح وتفصیل بھی ملے گی، اس کتاب مین "اشاعت تعلیم کے دیگر ذرائع" کے عنوان سے جو کچھ لکھا گیا ہے، اس مین اجمالاً اس کی طرف بھی اشارہ ہے، پہلے خیال تھا کہ اس کی نسبت کسی قدر تفصیل سے لکھنا چاہیئے، لیکن بعض ناگزیر اسباب کی بنا پر ایسا نہ ہو سکا، ہندوستان کے مسلمان بادشاہون مین بہت کم ایسے گذرے ہین جنھون نے ہندوؤن کے پنڈت، گوشائین یا گرو وغیرہ مذہبی وعلمی اشخاص کے لئے وظیفے یا جاگیرین نہ عطا کی ہون، شاہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کے مذہبی تعصب کا غلغلہ مصنفین یورپ نے نہایت بلند آہنگی سے اٹھایا اور اپنی تصنیفات مین اس کو بہت کچھ آب ورنگ دے کر بیان کیا ہے، جس کا نمایان اثر یہ ہوا کہ تمام ملک مین نہایت برے خیالات پھیل گئے اور اس نیک دل ورحم پرور بادشاہ کو ظالم، ستمگر، ہندوکش کے خطابات دیے گئے، اور اب حالت یہ ہے کہ اگر کبھی اس کے قابل قدر اوصاف کی کوئی آواز اٹھائی بھی جاتی ہے تو وہ اس غوغاے عام مین دب کر رہ جاتی ہے،

تاہم یہ واقعہ ہے کہ یہ بالکل بانگ تہی ہے اور جو کچھ بیان کیا جاتا ہے اس مین اصلیت کا بہت کم حصہ ہے، بلکہ اس کے تعصب کے خلاف اس کی رواداری و مسالمت کی شہادتین ملتی ہین، گوشائین، گرو اور پنڈتون کے نام مسلمان فرمانرواؤن کے متعدد فرامین جن کے ذریعہ سے ان کو شاہی عطیے یا جاگیرین یا معافیان دی گیئن، میری نظر سے گذرے ہین، اُن مین شاہنشاہ عالمگیر اورنگ زیب کے فرمان بھی ہین، غالبًا یہ بہت کم لوگون کو معلوم ہوگا کہ ہندوؤن کے مشہور مقدس مقام بودھ گیا جہان ہندوستان کے مصلح اعظم مہاتما بدھ کو "علم" حاصل ہوا تھا اس عظیم الشان بودھ خانقاہ کے متعلق جو کئی لاکھ کی جائداد وقف ہے وہ تمامتر اسلامی سلاطین کے فیضِ کرم کا نتیجہ ہے، اس وسیع جائداد مین بڑا حصہ شاہنشاہ عالمگیر کا عطیہ ہے، عالمگیر اور دوسرے سلاطین کے فرامین اب تک اس وقف کے متولی خاندان مین محفوظ ہین،

علامہ شبلی نعمانیؒ نے اجلاس ندوۃ العلماء منعقدہ بنارس کے موقع پہ ایک علمی نمائش کی تھی، اس مین اس قسم کے متعدد فرامین جمع کئے گئے تھے، یہ تاریخ ہند کا نہایت مہتم بالشان ذخیرہ ہے اس لئے اس کو پیش نظر رکھے بغیر جو تاریخ ہند مرتب کی جائے گی وہ بڑی حد تک نامکمل ہوگی،

آخر مین یہ بتا دینا بھی ضروری ہے کہ گو اس کتاب کا ایک بڑا حصہ تقریر کی ضرورت سے یادداشت کے طور پر جمع کیا گیا تھا، لیکن چونکہ اس سے وہ کام نہ لیا جا سکا، اور بعد مین یہ قرار پایا کہ اس غیر معمولی اور مفید یادداشت کو رائگان نہ جانے دیا جائے، بلکہ اس کو

ایک مستقل کتاب کی شکل مین جمع کر دینا چاہئے اس لئے کتابی ترتیب و نظر ثانی کے موقع پر اس مین بہت سے حصے اضافہ کر دیے گئے اور اس کو ایک خطبہ کی صورت سے بدل کر موجودہ تصنیف کے قالب مین ڈھال دیا گیا،

اس موقع پر مخدوم محترم مولٰنا سید عبد الحیٔ صاحب ناظم ندوۃ العلماء کا شکریہ ادا کرنا بھی اپنا فرض سمجھتا ہون کہ جناب ممدوح کے مضمون "ہندوستان کا قدیم نصابِ درس" سے بڑی مدد ملی، اس کتاب مین جہان پر قدیم درسی کتابون کی فہرست دی گئی ہے، وہ تمامتر اس مضمون سے منقول ہے، یہ امر مزید شکریہ کا محرک ہے کہ مولٰنا ممدوح نے میری اجازت طلبی پر نہایت خندہ پیشانی سے اس کے نقل و اخذ کی اجازت دی،

ابوالحسنات ندوی

دار المصنفین اعظم گڈھ

۱۰ر جولائی سنہ ۱۹۲۲ء روز دوشنبہ،

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

موجودہ زمانہ مین ہر قوم اپنی اہمیت کے اثبات اور شاندار مستقبل کی تاسیس کے لئے اپنی گذشتہ تاریخ اور اسلاف کے کارنامون کو دہرا رہی ہے، من حیث القوم مسلمانون کی ممتاز حیثیت جو کچھ دنیا مین باقی ہے اس کی بنیاد بھی اسلاف کے شاندار کارنامون ہی پر ہے، وہ جس وقت عرب سے نکلے تھے ان کے ایک ہاتھ مین فتح و نصرت کی تلوار اور دوسرے مین علم و فن کا چراغ تھا، جو ملک ان کے زیر نگین آیا وہان انھون نے فضل و کمال کی بزم چراغان برپا کی،

وہ عرب کی مقدس سرزمین سے نکلے اور دنیا کے جنوب و شمال اور مشرق و مغرب مین پھیل گئے، ان کا پھیلنا ساری دنیا کے لئے مبارک تھا، جہان پہونچے وہان کے زمین و آسمان کو بدل دیا، اندلس کی سرزمین مین تہذیب و تمدن کی روشنی پھیلائی کہ مغرب کا ظلمت کدہ روشن ہو، مصر، طرابلس، الجزائر، مراکش اور قیروان کے افریقی وحشیون کو تعلیم دے کر فضل و کمال کی معراج پر پہونچا دیا، ایران کو مشرق مین علوم و فنون کا سرچشمہ بنا دیا، اندلس کا اسلامی تمدن، ایران مین شیراز و بغداد کی اسلامی

تعلیم گاہین آج تک ان کی قومی تاریخ کے زرین کارنامے ہین اور ابدالاباد تک رہین گے،
مسلمانون کے علمی کارنامون کو علامۂ شبلی نعمانی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسائل
کے مختلف مضامین مین بہ تفصیل لکھا ہے۔ مصر، شام، ایران، روم، خراسان،
عراق، اور افریقہ مین مسلمانون نے جتنے تعلیمی مدارس و مکاتب قائم کئے، علامۂ مبرور
نے ان مین سے اکثر کے نام گنائے اور اُن کے حالات لکھے ہین، لیکن خاص سرزمین ہند
کی نسبت جو ہمارا وطن ہے۔ اب تک کچھ نہین لکھا گیا، علامۂ مرحوم ابتداءً ہندوستان
مین اسلامی مدارس کے قیام کے قطعی منکر تھے، چنانچہ اپنے رسائل کے مضمون "اسلامی مدارس"
مین لکھتے ہین،

"ہندوستان کے تذکرے مین ہم کو بے خطر کہنا چاہئے کہ اس سرزمین پر شاید ایک
بھی علمی عمارت نہین قائم ہوئی"

لیکن بعد ازین بعض ارباب قلم کے توجہ دلانے پر علامۂ مرحوم نے اپنی اس تحقیق
سے رجوع کیا اور اس عبارت پر حاشیہ دے کر طبع ثانی مین یہ الفاظ لکھے،
"مین اس بات کا اعتراف کرتا ہون کہ میری یہ تحقیق صحیح نہین ثابت ہوئی، ہندوستان
مین بہت سے مدارس تعمیر ہوئے تھے گو اب اُن کا نام و نشان نہین رہا"
تاہم اس اعتراف سے اصلی عقدہ نہ کھل سکا، اور اس مبحث کی نسبت کوئی تفصیلی
علم حاصل نہ ہوا، اس لئے بڑی ضرورت تھی کہ اس ضروری مضمون کے متعلق جو کچھ معلومات
ہون اُن کو یکجا کر دیا جائے،

اجمالی اشارات

اس مین شک نہین کہ یہ مضمون جس قدر اہم ہے، اسی قدر مشکل اور محنت طلب بھی ہے، اوّلاً اس خاص عنوان کے لئے فارسی تاریخون مین جو کچھ مواد ہین وہ اس قدر منتشر اور ضمنی ہین کہ اُن پر مشکل نگاہ پڑ سکتی ہے، ثانیاً ان تاریخی کتابون کا طرزِ تحریر قدیم مذاقِ تاریخ نویسی کے باعث کچھ ایسا واقع ہوا ہے کہ اگر ہم گذشتہ زمانہ کے تمدنی، سیاسی، اور علمی حالات کو اُن مین مبسوط و مفصل طور پر تلاش کرنا چاہین تو اس تلاش مین بڑی ناکامی ہوگی، قدیم تاریخین زیادہ تر دراصل بادشاہون کی سوانح عمریان ہین جن مین خصوصیت کے ساتھ اُن کے فتوحات ملکی اور جنگی کارنامے جو اس زمانہ کے سب سے زیادہ قابلِ توجہ واقعات تھے، تفصیل و بسط کے ساتھ مذکور ہوتے ہین، اس بنا پر تاریخ کے صفحات بھی میدانِ کارزار بن گئے ہین اور یہ ظاہر ہے کہ تلوارون کی جھنکار، طبل و بوق کی گونج، اور صفِ جنگ کے غوغائے رستخیز مین درس و تعلیم کی کمزور آوازین کیونکر سنائی دے سکتی ہین؟

تاہم اگر تاریخ کے صفحات کا غور سے مطالعہ کیا جائے تو بادشاہون کے حالاتِ زندگی کے ضمن مین دوسری قسم کے واقعات بھی مل جاتے ہین، اگر کوئی شخص محنت اور جستجو سے کام لے تو گذشتہ زمانہ کی سیاست نظمِ حکومت، طریقِ عدل و انصاف، تہذیب و تمدن اور دیگر ضروری حالات کا اندازہ لگانے کے لئے منتشر طور پر اس کو کافی واقعات مل سکتے ہین، مین اس رسالہ مین اپنی اسی قسم کی تلاش و جستجو کے نتائج پیش کرنا چاہتا ہون جنکا تعلق محض ہندوستان کے علمی و تعلیمی معلومات سے ہے،

اس سے پہلے کہ اصل مضمون پر سلسلۂ سخن شروع کیا جائے، چند ایسے اجمالی امور کی تشریح و توضیح کر دینا مناسب ہے، جن سے یہ معلوم ہو کہ قدیم فارسی تاریخون مین ہندوستان کے گذشتہ مدارس کے متعلق کیون تصریحی ابواب نہین ملتے، نیز وہ عمارات و اماکن کون تھے جن سے تعلیم گاہون کے کام لئے جاتے تھے،

(۱) مسلمان اپنے مذہبی مذاق کی بنا پر ہمیشہ تعلیم و تعلم اور درس و تدریس کو مذہبی مشغلہ اور کار خیر خیال کرتے رہے ہین، وہ طلبہ کی امداد، تعلیم کی اشاعت، کتب و سامانِ درس و تعلیم کا وقف، مدارس کی بنا و تاسیس اور علما کی خدمت و اعانت وغیرہ کو ایک مذہبی حکم اور برکت و فلاحِ دارین کا باعث سمجھتے رہے، اس بنا پر یہ چیزیں بھی اور ضروریاتِ زندگی کی طرح ان کی زندگی کا لازمی وضروری جزو ہو گئی تھی، اور چونکہ ایک شخص کے روزمرہ اعمالِ زندگی اس کی تاریخِ حیات مین خاص طور پر ہمیشہ اہمیت کیساتھ قابلِ ذکر نہین سمجھے جاتے بلکہ عام الفاظ مین دوسری ضروریاتِ زندگی کے ساتھ سرسری طور پر مذکور ہوتے ہین، اس لئے قدیم ایام مین مسلمانون نے تعلیمی سلسلہ مین جو کچھ کارہائے نمایان کئے ہین، ان کو قدیم مورخین مخصوص ابواب و فصول مین نہین بیان کرتے،

(۲) ہر شخص نے فارسی تاریخون مین سلاطینِ اسلام کے اعمالِ زندگی مین عموماً یہ الفاظ پڑھے ہون گے،

"در عہد حکومت خود تالابہا و چاہ ہا و پلہا بستند، و در ہر طرف دیگر عمارات و بقاعِ خیر نیز بنا نہادند"

ایسی عبارتون مین عموماً عمارات و بقاعِ خیر سے مراد مدرسے، مکتب، مسجدین اور خانقاہین ہین،

تاریخ مرأت احمدی کا مصنف جو گجرات کا دیوان تھا اس نے جابجا فرامین کی نقلین درج کی ہین، اُن مین ایک فرمان شاہنشاہ اکبر کا ہے جو تمام صوبون کے لئے جاری کیا گیا تھا، اس فرمان کی دفعہ ۳۰ کا مفہوم حسب ذیل ہے :-

جہان تک ممکن ہو دنیا مین علم و ہنر کی اشاعت ہوتی رہے تاکہ اہلِ کمال دنیا سے معدوم نہ ہو جائین، اور ان کی یادگار صفحۂ ہستی پر باقی رہے،

(۳) جیسا کہ آیندہ تفصیلاً معلوم ہوگا، قدیم زمانہ مین تعلیم کے لئے عموماً علٰحدہ عمارتین نہین ہوتی تھین، زیادہ تر یہ کام مساجد سے لیا جاتا تھا، اس زمانہ کی تمام مسجدین مدارس کا کام دیتی تھین، اس لئے ہر قدیم وسیع مسجد ایک بڑی درسگاہ تھی، یہی سبب ہے کہ ہندوستان کے قدیم اسلامی شہرون مین قدم قدم پر تم کو وسیع و شاندار مسجدین ملین گی، دلی، آگرہ، لاہور، جونپور، احمد آباد، گجرات، وغیرہ قدیم اسلامی دارالسلطنتون مین جو عظیم الشان مسجدین تعمیر ہوئی تھین، اور جو اب تک باقی ہین، اُن کی ہیئت کذائی صاف بتاتی ہے کہ اُن کا بڑا حصہ تعلیم گاہون کے کام مین آتا تھا، ان مسجدون مین اب تک تم کو صحن کے چارون طرف چھوٹے چھوٹے حجرون کا وسیع سلسلہ نظر آئے گا، یہ درحقیقت طلبہ اور مدرسین کے رہنے کے مقامات تھے، اور ان مین سے بعض اب تک اسی کام مین ہین، مثلاً دہلی کی مسجد فتحپوری و اکبر آبادی جو ۱۰۶۰ھ مین تیار ہوئین، اُن کے

وسیع صحن کے گرد اگرد جو کمرے بنوائے گئے وہ مخصوص طور پر طلبہ کی اقامت گاہ تھے ان مین سے اوّل الذکر آج تک اسی کام مین ہے، اور وہان سے طلبۂ علومِ عربیہ کی ایک بڑی جماعت آج بھی فیضیاب ہو رہی ہے،

(۴) قدیم خانقاہین بھی عموماً تعلیم گاہون کے مصرف مین آتی تھین، متصوفین اور گوشہ نشین مشائخِ زمانہ اس وقت صرف مجاہدۂ نفس و وظائف ہی کو عبادت نہین سمجھتے تھے، بلکہ وہ شریعت و طریقت اور ظاہر و باطن دونون کی تعلیم و تدریس کو اپنا حقیقی نصب العین خیال کرتے تھے، اسی وجہ سے قدیم مشائخ و بزرگانِ دین کے حالات مین درس تدریس کا شغل عموماً نظر آتا ہے، ہر خانقاہ مین تشنہ لبانِ تصوّف و علومِ باطن کی طرح طالبینِ علومِ ظاہر کی جماعتِ کثیر بھی پائی جاتی تھی، خانقاہون کے لئے حکومت کی طرف سے جو عطیے یا شخصی اوقاف ہوتے تھے، اُن کا بڑا حصہ طلبہ پر صرف ہوتا تھا، اس بنا پر قدیم خانقاہون کو بھی مدارس و مکاتب کے سلسلہ مین شمار کرنا چاہئے،

(۵) سلاطین اور بزرگانِ کرام کی قبرون پر جو مقبرے اور روضے تعمیر ہوتے تھے اُن کے ساتھ اردگرد بہت سے حجرے اور کمرے اسی غرض سے تعمیر ہوتے تھے کہ وہ مدرسون کے کام مین آئین، چنانچہ مقبرۂ علاؤالدین خلجی اور مقبرۂ ہمایونی وغیرہ کا ذکر آگے آتا ہے، اس وقت بھی جو قدیم مقبرے دلّی، آگرہ، احمد آباد، بیجاپور، وغیرہ مین قائم ہین، ان کی ہیئت خود ان کی تاریخ کو بتا رہی ہے،

ان اجمالی اشارات کے بعد ان مخصوص عمارتون کا ذکر کیا جاتا ہے، جو اس سلسلہ سے الگ خاص مدارس کے نام سے تعمیر ہوئین، نیز اس سلسلہ مین ضمناً ہندوستان کے مختلف علمی قصبات و دیہات کا تذکرہ ناگزیر ہے جس سے قدیم طرز تعلیم و طریق اشاعتِ علم و فن پر مزید روشنی پڑے گی، اور یہ معلوم ہو جائے گا کہ گذشتہ زمانہ مین تعلیم گاہ کا مفہوم کس قدر وسیع تھا، یہ معلومات مختلف موضوع کی (مثلاً تاریخ، تذکرہ، ملفوظات و مکتوبات وغیرہ) کتابون کے منتشر و پراگندہ بیانات سے فراہم کئے گئے ہین،

ہندوستان مین مسلمانون کی آمد

گو ہندوستان مین مسلمانون کا داخلہ پہلی صدی ہجری کے آخر مین ہوا، لیکن یہ داخلہ پورے ملک ہند پر مؤثر نہ تھا، البتہ اتنا ضرور ہے کہ ظلمت کدۂ ہند کے بعض اطراف مین نورِ اسلام کی شعاعین اسی زمانہ مین پڑین، لیکن صحیح معنی مین اسلامی حکومت کے قدم سرزمین ہند مین سلطان محمود غزنوی کی مجاہدانہ مساعی کی بدولت جمے اور اس لئے اسی وقت سے اسلامی حکومت کا آغاز سمجھنا چاہئے، سلطان محمود کی توجہ فتحِ ہند کی طرف ۳۹۰ھ سے ہوئی اور پھر رفتہ رفتہ ہندوستان کا بیشتر مغربی حصہ اسلامی پرچم کے نیچے آگیا، اسلامی فتوحات کی یہ عام خصوصیت ہے کہ پہلے بے شبہہ تیغ و تبر سے کام لینے والی فوجین بڑھتی ہین، لیکن فتح کے بعد وہ تلوار ہمیشہ اُن کے ہاتھون مین نہین رہتی، بلکہ امن و امان قائم ہوتے ہی ان کے

ہاتھون مین کتاب وقلم نظر آتے ہین، اور اپنے رشحاتِ فیض سے وہ سارے ملک مین علم وفضل کا دریا بہا دیتے ہین،

الوالعزم سلطان محمود کا دار السلطنت غزنی تھا ہندوستان کے مفتوحہ علاقون کا طرزِ حکومت موجودہ زمانہ کی صوبجاتی حکومت کے اصول پر تھا، جہان اس کے امراجن کو اس زمانہ کے لفٹننٹ گورنر کہیے نظم ونسق کرتے تھے، اس قدیم زمانہ کی نسبت اگرچہ تصریح کے ساتھ نہین کہا جا سکتا کہ اس وقت ہندوستان کی تعلیم کے لیے اسلامی حکومت نے کیا انتظام کیا تھا، تاہم اتنا معلوم ہے کہ سلطان محمود علم دوست اور علما پرست بادشاہ تھا، اس کا دربار علماء، حکماء اور شعراء کا مرجع و ماویٰ تھا، اس کو اپنے حدودِ حکومت مین مدارس و مساجد قائم کرنے کا بیحد شوق تھا سنہ ۴۰۹ھ کے بعد جب سلطان محمود فتح قنوج سے کامیاب غزنی واپس آیا ہے، تو اس نے وہان جامع مسجد اور مدرسہ کی بنیاد رکھی، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

"سلطان چون بفتح وفیروزی ایں سفر مراجعت نمود، فرمود، تا در غزنی مسجد جامع بنیاد نہادند، و اصل عمارت مسجد از سنگِ مرمر و رخام مربع و مسدس و مثمن و مدور برآوردند بطرزیکہ بینندگان از متانت و طراحیِ آں متحیر شدند و بعد از اتمام عمارت بموجب حکم بنوعے آں را بانواعِ زینت و فروش و قندیل مزین ساختند کہ ظرفاے وقت آں مسجد را عروسِ فلک می گفتند، و در جوارِ آں مسجد مدرسہ بنا نہادہ و بنفائسِ کتب و غرائبِ نسخ موشح گردانیدہ دہات بسیار

بر مسجد و مدرسہ وقف فرمود" (فرشتہ جلد اوّل حالات محمود غزنوی)

بادشاہ کا یہ مذاق دیکھ کر اس کے امرا و اعیانِ دولت بھی اس کی پیروی کرتے تھے، جس کی بدولت ہر شخص سمجھ سکتا ہے کہ اس کے حدودِ حکومت مین تعلیم کی کتنی گرم بازاری ہو گی، چنانچہ بیانِ ماسبق سے متصل قاسم فرشتہ لکھتا ہے"

"وبمقتضاے الناس علیٰ دین ملوکھم ہر یکے از امرا و اعیانِ دولت بہ بناے مسجد و مدارس و رباطات و خوانق مبادرت نمودند"

پس ایسے عہدِ حکومت مین یہ کیونکر ممکن ہے کہ ہندوستان تعلیمی ذرائع و اسباب سے خالی ہوگا، بادل جب برستا ہے تو دشت و چمن دونون کو یکسان سیراب کرتا ہے،

مین اس سے ایک اور نتیجہ تک پہنچنا چاہتا ہون وہ یہ کہ یہان اسلامی عہدِ حکومت مین جیسا کہ تفصیلاً آگے معلوم ہوگا، مساجد کے پہلو بہ پہلو مدارس و مکاتب کے قیام کا عام مذاق پیدا ہو گیا تھا، میرے خیال مین اس کا ذریعہ بھی عہد محمودی ہی تھا، یعنی سلطان محمود اور اس کے امرا کے توسط سے ابتدائً یہ طریقہ ہندوستان مین داخل ہوا، اور بعد کو رفتہ رفتہ عام طور پر رواج پا گیا، کیونکہ دیگر کتبِ تاریخ اور خود فرشتہ کے مذکورۂ بالا بیان سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ ہندوستان سے باہر تمام اسلامی ممالک مین یہی طریقہ رائج تھا،

سلطان محمود کے بعد اس کا دوسرا لڑکا شہاب الدین مسعود تخت نشین

حکومت ہوا، یہ علما، کا مربی اور علم پرور بادشاہ تھا، اس کی علمی فیاضیان بہت بڑھی ہوئی تھین، اکثر علما نے اس کے نام سے کتابین لکھین، **قاضی ابو محمد ناصحی** نے **فقہ مسعودی** کے نام سے ایک کتاب فقہ احناف مین لکھی اور اس کے نام سے منسوب کی، **ابو ریحان خوارزمی منجم** جو ریاضیات مین بے نظیر تھا، اُس نے **قانونِ مسعودی** لکھکر جو انعام پایا اس کے متعلق **فرشتہ** لکھتا ہے،

"ابو ریحان خوارزمی منجم کہ علامۂ وقت بود در ریاضیات نظیرے نہ داشت۔ قانونِ مسعودی در علم ریاضی بنامِ او نوشت و فیلے از نقرہ صلہ یافت"

اس نے اپنے حدودِ حکومت مین بکثرت مدارس قائم کئے، **فرشتہ** لکھتا ہے:-

"در اوائل سلطنت اُو در ممالک محروسہ چنداں مدارس ومساجد بنیا دنہادند کہ زبان از تعداد آن عاجز و قاصر است"

پورے پونے دو سو برس کی حکومت کے بعد **خسرو ملک بن خسرو شاہ غزنوی** کی شکست پر اسکو ۵۸۰ھ مین بمقام لاہور **امیر شہاب الدین محمد غوری** کے مقابلہ مین نصیب ہوئی، حکومت ہند خاندانِ غزنوی سے **خاندانِ غوری** مین منتقل ہوگئی،

مدارسِ اجمیر

۵۸۷ھ مین **شہاب الدین محمد غوری** نے اجمیر کو فتح کیا ہے مصنف **تاج المآثر**[1]

لہ یہ ہندوستان کی سب سے قدیم فارسی تاریخ ہے، اس کا ایک قلمی نسخہ حیدرآباد دکن کے کتبخانۂ آصفیہ مین ہے،

(حسن نظامی نیشاپوری) کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ شہاب الدین محمد غوری نے اجمیر مین متعدد مدرسے قائم کئے، ان مدارس کی تاریخ بنا صحیح طور پر متعین نہین، لیکن سنہ مذکور کے بعد قریب ہی قریب مین ہوگی، اس بنا پر یہ مدرسے ہندوستان کے قدیم ترین اسلامی مدارس ہین،

مدارس دہلی

اس وقت تک ہندوستان کے شاہنشاہی تعلقات غزنی کے ساتھ تھے شہاب الدین غوری کے بعد قطب الدین ایبک نے ۵۸۹ھ مین لاہور کے بجاے دہلی کو ہند کا دار السلطنت قرار دیا، قطب الدین کا جانشین شمس الدین التمش ۶۰۷ھ مین تخت نشین ہوا، اس بادشاہ نے خاص دار السلطنت دہلی مین متعدد مدارس قائم کئے، گو تعین و یقین کے ساتھ نہین کہا جاسکتا لیکن قرینہ سے ثابت ہوتا ہے کہ دہلی کا مشہور و معروف مدرسہ معزی اسی علم پرور بادشاہ کے عہدِ حکومت کی یادگار ہے، کیونکہ بدایون مین بھی شمس الدین التمش نے اپنے ایامِ امارت مین ایک مسجد اور اس کے متصل معزی نامی مدرسہ قائم کیا تھا، قرینہ یہ ہے کہ اس نے یہ مدارس اپنے آقاے ولی نعمت شہاب الدین غوری "جس کا اصلی نام معز الدین محمد غوری ہے" کے نام پر قائم کئے تھے، سلطانہ رضیہ بنت شمس الدین التمش کے عہدِ حکومت مین جب قرامطہ نے دہلی پر یورش کی تھی تو حسب بیان مصنفِ طبقات ناصری وہ اس مدرسہ کے قریب تک گھس آئے تھے، یہ زمانہ ۶۳۵ھ کا تھا، مدرسہ معزی دہلی کے

ایک مدرس مولنا بدر الدین اسحاق بخاری تھے جو معقول و منقول مین اپنے وقت کے سرآمد روزگار تھے،

اسی عہد مین دہلی مین ایک اور عظیم الشان مدرسہ کا پتہ چلتا ہے، جس کا نام مدرسۂ ناصریہ تھا، یہ مدرسہ ناصر الدنیا و الدین شہزادہ محمود بن سلطان شمس الدین التمش کے نام پر قائم کیا گیا، طبقات ناصری کے مصنف سراج الدین عفیف اس مدرسہ کے مہتم اور نگران تھے، جیسا کہ وہ لکھتے ہین،

"در ماہ شعبان سنہ خمس و ثلثین و ستمائۃ سلطانہ رضیہ مدرسۂ ناصریہ در حضرت منضم باقضاء کا لیور بدین داعی مفوض فرمود" (صفحہ ۱۸۸ مطبوعہ ایشیائٹک سوسائٹی کلکتہ)

مدرسہ مقبرۂ علاء الدین خلجی[1]، یہ مدرسہ مسجد قوۃ الاسلام اور قطب صاحب کی لاٹ کے متصل واقع تھا، ۷۱۵ھ مین علاء الدین خلجی کا انتقال ہوا، اس کے بعد سلطان قطب الدین مبارک شاہ خلجی نے تقریبًا ۷۱۸ھ مین یہ مقبرہ بنوایا، مقبرہ، مدرسہ اور مسجد سب کی مرمت فیروز شاہ نے اپنے عہد حکومت مین کی، صندل کے چھپر کھٹ چڑھائے، صحیح طور پر نہین کہا جا سکتا کہ یہ مدرسہ کب قائم ہوا، اگر قطب الدین مبارک شاہ نے مقبرۂ علائی کے ساتھ بنوایا تو اس کا سنہ بنا ۷۱۸ھ ہوگا، اور اگر مسجد قوۃ الاسلام کے ساتھ اس کی بنیاد پڑی تو ۵۸۸ھ تاریخ بنا ہوگی، کیونکہ اسی سال قطب الدین ایبک نے اس مسجد کی بنیاد ڈالی تھی، پھر ۶۲۷ھ مین سلطان

[1] فتوحات فیروز شاہی،

شمس الدین التمش نے بھی اس مسجد پر تین تین محرابون کا اضافہ کیا، اور اصل لاٹ پر بھی پانچ درجے زیادہ کئے، ممکن ہے کہ مدرسہ کی بنیاد اسی سلسلہ تعمیرات مین پڑی ہو، اس لئے ٹھیک تاریخِ بنا نہین بتائی جاسکتی، میرے خیال مین دوم اور سوم عہد کو ترجیح ہے، عہد اوّل (زمانہ قطب الدین مبارک شاہ) مین صرف مقبرہ کی تعمیر ہوئی،

سلطان محمد تغلق نے جب نئی دہلی یعنی خرم آباد کو آباد کیا ہے تو قلعہ خرم آباد مین مسجد و مدرسہ کی تعمیر بھی عمل مین آئی، بدر چاچ نے ان عمارتون کی تاریخِ بنا مین ایک قطعہ لکھ کر پیش کیا جس کے چند شعر یہ ہین،

برین عمارتِ خرم برین خجستہ سرای	ہزار دیدہ کشادا ست چرخِ آئینہ دار
فناش نقش طرازِ نگار خانۂ خلد	ہواش غالیہ سای نسیم بادِ بہار
فضائے عرصۂ یکسر ستونِ بارگہش	محیط نہ ربضِ ہفت قلعۂ دوّار
چہار بازو ارکانِ او بہ پشتی بخت	زروئے لطف سرعرش را گرفتہ کنار
برونِ او ز ملا پر خروشِ جوشِ جیوش	درونِ او ز صفا جائے ذکر و استغفار
رئیسِ مدرسۂ او معلّمِ ادریس	امامِ مسجد او طوطئ شکر گفتار
تمام گشت بتاریخ وادخلوا فیہا	کشادہ باتو بگویم کہ ہفصد و چل و چار

دہلی مین ایک مدرسہ حوضِ خاص[1] مشہور مدرسہ تھا، حوض دراصل سلطان خلجی کا بنوایا ہوا تھا، اس نے اپنی تخت نشینی کے سال سنہ ۶۹۶ھ مین بنوایا تھا،

[1] فتوحات فیروز شاہی،

فیروز شاہ کے زمانہ مین یہ حوض مٹی سے بھر گیا تھا، بادشاہ فیروز نے اس کو صاف کرایا، جہان جہان مرمت کی ضرورت تھی مرمت کی گئی، اور تقریباً ۷۵۵ھ مین اس کے اوپر ایک مدرسہ قائم کیا، جس مین مشہور مدرسین جمع کئے گئے، اس مدرسہ کے صدر مدرس سید یوسف بن جمال حسینی تھے، ان کا انتقال ۷۹۰ھ مین ہوا، اور اسی مدرسہ کے صحن مین دفن کئے گئے،

مدرسہ فیروز شاہی، دہلی کا یہ سب سے مشہور اور اپنے عہد کا بہترین مدرسہ تھا، فیروز شاہ نے یہ مدرسہ فیروز آباد دہلی مین ۷۵۳ھ مین قائم کیا تھا، ضیاء برنی نے اس کی تعریف مین صفحے کے صفحے سیاہ کر ڈالے ہین، لکھتا ہے،

"یہ مدرسہ اپنی شان و شوکت، خوبی عمارت و موقع اور حسن انتظام و تعلیم کے لحاظ سے تمام مدارس ہند مین سب سے بہتر اور عمدہ ہے، مصارف کے لئے شاہی وظائف مقرر ہیں"

طرز بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ مدرسہ کے متصل مسجد بھی تھی، مولنا جلال الدین رومی اس مدرسہ کے مدرس دینیات تھے،

مدرسۂ بالا بند آب سیری، یہ مدرسہ دراصل ایک شاہی عمارت مین واقع تھا، ضیاء برنی لکھتا ہے کہ مدرسہ فیروز شاہی کی عمارت سے دہلی کی کوئی عمارت حسن عمارت و موقع مین اگر مقابلہ کر سکتی ہے تو وہ بھی مدرسۂ بالا بند آب سیری کی عمارت ہے، اس کے بعد لکھتا ہے،

"مولانا سید الائمہ والعلماء نجم الملۃ والدین سمرقندی کہ از نوادر اساتذہ است در آن عمارت مبارک مدرس گشتہ"

اس کے لئے کچھ وقف اور شاہی وظیفہ مقرر کر دیا گیا تھا، نیز بہت سے طلبہ کی کفالت کی جاتی تھی، اور وہ استاد مذکور سے فیض تعلیم حاصل کرتے تھے،

ماہ صفر ۷۷۶ھ مین سلطان فیروزشاہ نے اپنے بیٹے شہزادہ **فتح خان** کی وفات پر اس کے مقبرہ کے ساتھ ساتھ بطورہ کار خیر وایصال ثواب ایک مدرسہ[۵] بھی قائم کر دیا، جس کے اخراجات کا مدار شاہی وظائف پر تھا،

ہمایون کا عہد حکومت تقریباً ۹۳۵ھ سے شروع ہوتا ہے، اس نے علوم و فنون کی ترقی مین اگلے بادشاہون سے کچھ کم کوشش نہین کی، ہمایون علوم کا عاشق وشیفتہ تھا، **علم ہیئت وجغرافیہ** سے اس کو خاص مناسبت تھی، اُس نے طبائع عناصر پر ایک خاص رسالہ لکھا تھا، کرے اور اسطرلاب جو عموماً مدارس ہند مین آج نظر آتے ہین، یہان ابتدائً ان کا رواج دینے والا بھی ہمایون ہے، اس نے خود ایک خاص قسم کا اسطرلاب ایجاد کیا تھا جو اسطرلاب ہمایونی کے نام سے مشہور ہے، چنانچہ ہمارے دار العلوم **ندوہ** کے کتب خانہ مین ایک اسطرلاب موجود ہے، جس پر صانع کی یہ عبارت کندہ ہے

عمل ضیاء الدین محمد بن قاسم محمد ابن ملا عیسٰی ابن شیخ الہ داد اسطرلابی ہمایونی لاہوری فی سنہ ۹۹۵ھ،

---

[۵] تاریخ فرشتہ و آثار الصنادید،

ہمایون نے دہلی مین ایک مدرسہ قائم کیا جس کے ایک مدرس شیخ حسین تھے
لوگون کو یہ عام طور پر معلوم نہین کہ ہمایون کے مقبرہ کے اوپر جو چھت تھی وہ دراصل ایک مدرسہ[1] تھا، جس مین بڑے بڑے اساتذہ وقت تعلیم دیتے تھے، اور مقبرہ کے پہلو مین چھوٹے چھوٹے کمرے طلبہ کی اقامت کے لئے بنے ہوئے تھے،

عہدِ اکبری مین ماہم بیگم نے جو اکبر اعظم کی مرضعہ تھین، سنہ ۹۶۹ھ مین پرانے قلعہ کے پاس مغربی دروازے کے مقابل مین ایک مسجد اور مدرسہ بنوایا، مدرسہ کا نام خیر المنازل رکھا گیا جس پر یہ کتبہ لگا ہوا تھا،

بدورانِ جلال الدین محمد — کہ باشد اکبرِ شاہانِ عادل
چو ماہم بیگمِ عصمت پناہی — بنا کرد این بنا بہرِ افاضل
وے شد ساعی این بقعہ خیر — شہاب الدینِ احمد خانِ باذل
زہے خیریتِ این خیر منزل — کہ شد تاریخِ او خیر المنازل

جلوسِ اکبری کے آٹھوین سال اکبر پر حملہ کرنے کی جو کوششین کی گئین وہ اسی کے قرب وجوار کا واقعہ تھا، گو اب یہ مدرسہ کھنڈر ہے، لیکن آج بھی اس کے باقی ماندہ آثار اس کی گذشتہ عظمت وشوکت کو یاد دلاتے ہین،

شیخ عبد الحق محدث دہلوی جو جہانگیر کے عہد مین تھے، اخبار الاخیار مین ایک مدرسہ کا ذکر کرتے ہین جہان انھون نے تعلیم پائی تھی، اس مدرسہ مین تعلیم کا وقت

---

[1] آثار دہلی از اسٹیفن،

صبح سے دو پہر تک اور ظہر کے بعد سے شام تک مقرر تھا، چنانچہ شیخ موصوف روزانہ اپنے گھر سے انہین اوقات مین مدرسہ جایا کرتے تھے،

دلی کی جامع مسجد عہد شاہجہانی کی صرف تعمیری یادگار نہین بلکہ اس سلسلہ مین اوراقِ تاریخ پر چند اور رفاہِ عام کی عمارتین بھی ہمیشہ یادگارِ زمانہ رہین گی، جیسا کہ اسٹیفن نے لکھا ہے، مسجد کے شمالی رُخ پر شاہی شفاخانہ قائم تھا، جہان غربا اور مسکینون کے لئے علاج کے تمام اسباب و سامان مہیا کئے گئے تھے، بمفت علاج کیا جاتا تھا، اور دوائین بھی بلاقیمت تقسیم کی جاتی تھین، مسجد کے جنوبی رُخ پر شاہی مدرسہ تھا، اس مدرسہ کا سالِ بنا تخمیناً ۱۰۶۰ھ عہد شاہجہانی ہے، یہ مدرسہ گردشِ روزگار کے ہاتھون ۱۸۵۷ء کے غدر کے بہت پہلے سے ویران پڑا ہوا ہے، اس عظیم الشان مدرسہ کا نام دارالبقا، تھا،

بہادر شاہ کے عہدِ حکومت مین ایک نیا مدرسہ دلی مین قائم ہوا، جس کے بانی امیر غازی الدین خان فیروز جنگ تھے، مرحوم اپنے مدرسہ ہی مین مدفون ہوئے، سالِ وفات ۱۱۲۰ھ ہے، امیر غازی الدین نواب آصف جاہ بانیِ خاندانِ حیدر آباد دکن کے والد بزرگوار تھے، یہ وہ علم پرور خاندان ہے جس کے فیضِ کرم سے آج بھی ہندوستان کا گوشہ گوشہ سیراب ہو رہا ہے، امیر غازی الدین اورنگزیب عالمگیر کے ان محبوب و معتمد امرا مین تھے، جو دربار بہادر شاہی کے بھی معتمد رکن رہے، امیر غازی الدین نے یہ مدرسہ اجمیری دروازہ کے قریب قائم کیا تھا، مدرسہ کی

عمارت کے ساتھ ایک مسجد بھی تعمیر کرائی، اس مدرسہ کی شکستہ عمارت مین ابھی تک ایک خوبصورت دروازہ باقی ہے جو ایسے مقام پر لیجاتا ہے جس کی ظاہری حالت یہ بتاتی ہے کہ وہ مدرسہ کا مطبخ تھا،

نواب اعتمادالدولہ فضل علی خان لکھنؤ نے اس مدرسہ کے خرچ کے واسطے ایک لاکھ ستّر ہزار روپیے انگریزی کمپنی کو دیے تھے، چنانچہ کمپنی کی طرف سے مقبرہ کی دیوار پر اُن کے نام کا ایک کتبہ لگایا گیا جس کی عبارت یہ ہے،

کتبہ مقبرہ غازی الدین خان

نہ بر لوح نقشے بماند ولیک ۔۔۔ جزائی عمل ماند و نام نیک

"بیاد حسنات نواب اعتمادالدولہ ضیاء الملک سید فضل علیخان بہادر سہراب جنگ کہ یک لک و ہفتاد ہزار روپیہ برائے ترقی علوم در مدرسۂ ہذا واقع دہلی خاص مولد و وطن خویش بصاحبان کمپنی انگریز بہادر تفویض نمودہ اند منقوش گردیدہ ۱۸۲۹ء"

محمد شاہ کے عہدِ حکومت مین نواب شرف الدولہ ارادت خان نے ایک مدرسہ اور اس کے ساتھ ایک مسجد بنوائی، اس مدرسہ کا سالِ بنا ۱۱۳۵ھ ہے مسجد پر یہ کتبہ لگا ہوا ہے،

درزمانِ شہِ خورشید سریر ۔۔۔ ظلّ حق ماہ زمین شاہ زمان
ناصرالدین محمد شاہ است ۔۔۔ تیغ او کفر شکن در دوران
شرف الدولہ بنا فرمودہ است ۔۔۔ مسجد و مدرسۂ عالی شان
این دو بیت الشرف علم و عمل ۔۔۔ ہمچو سعدین فلک کردہ قران

دلی کا سب سے آخر الذکر لیکن کثیر المنافع مدرسہ شاہ عبد الرحیم صاحب دہلوی کا ہے، یہ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی کے پدر بزرگوار اور فتاوی عالمگیری کے جامعین مین تھے یہی مدرسہ تھا جس کے آغوش مین شاہ ولی اللہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی، مولٰنا شاہ عبد العزیز دہلوی، شاہ اسمٰعیل، شاہ اسحاق، شاہ عبد القادر وغیرہ علما سے کرام پل کر جوان ہوئے، اور آخر باری باری سے اس کے مسندِ درس پر متمکن ہوئے، یہی وہ سرچشمہ فیض ہے جہان سے حدیث نبوی کے برکات تمام گوشہ ہاے ہند مین پھیلے، اس مدرسہ کی مٹی ہوئی یادگار اب تک دلی مین باقی ہے،

مدارسِ پنجاب

پنجاب کا اسلامی پایۂ تخت لاہور تھا، اس شہر نے اسلامی عہد مین بہت کچھ ترقیان کین، پونے دو سو برس تک غزنویہ خاندان کے حکمرانون کا تخت گاہ رہا، علما، و فضلا، کا مرجع و مرکز تھا، افسوس ہے کہ مجھے تصریح کے ساتھ متعدد مدارس کے نام اس شہر مین نہین ملے، لیکن اس کی علمی ترقی کے آثار بتاتے ہین کہ یہ شہر تعلیمی حیثیت سے بھی ایک مدت تک علما و طلبہ کا ملجا و ماوی رہا ہے،

۱ یاد ایام بحوالہ تحقیقات چشتی

لاہور

وزیر خان کی مسجد یہ مشہور مسجد مدرسہ کا بھی کام دیتی تھی، اس کے نیچے اور گرد و پیش جو دکانین تھین، ان سے بانی کا یہ مقصد تھا کہ ان کی آمدنی سے دو عالم مقرر کئے جائین تاکہ سلسلۂ تعلیم بغیر کسی مالی وقت کے برابر جاری رہے،

عالمگیر اورنگ زیب کے عہدِ حکومت مین سیالکوٹ کے علمی شان وشکوہ کا
پتہ چلتا ہے، اس شہر نے اس عہد مین علمی مرکزیت حاصل کر لی تھی، یہان بڑے بڑے
مشاہیر علماء تھے، ملا عبد الحکیم سیالکوٹی جن سے ہمارے عربی مدارس کا بچہ بچہ واقف
ہے، اور جن کی تصنیفات ہندوستان سے لے کر قسطنطنیہ تک پھیلی ہوئی ہین، ان کے
صاحبزادے ملا عبد اللہ اپنے والد ماجد کی جگہ پر اس شہر کے مدرسہ مین قائم مقام ہوئے
افسوس ہے کہ اس مدرسہ کے بانی، تاریخ بنا، اور دوسرے حالات کی تفصیل مجھے
نہین مل سکی، سیالکوٹ کے علمی مرکزیت کا نشان عہد اکبری کے بعد سے ملتا ہے،
جس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہان علم وفضل کا چرچا بہت پہلے سے تھا،

جیسا کہ خلاصۃ التواریخ[1] کا مصنف ہندوستان کا جغرافیہ لکھتے ہوئے سیالکوٹ
کے تذکرہ مین لکھتا ہے،

"دوران خطۂ دلکشا خوابگاہِ امام علی الحق خلف امام زین العابدین است گویند
کہ بسیارے از اہل اسلام از عرب بقصد جہاد در ہندوستان آمدہ، باتفاقے کہ رودِ
بہ سیالکوٹ رسیدہ باہنود جنگ کردہ درجۂ شہادت یافتند، اکنوں مزار مظہر انوارِ
ایشاں زیارتگاہ صغار وکبار است، دراں شہر فیض آمود دار العلم جامع علما ومعدن
فضل ومسکن فضلا است اگرچہ در زمان محمد اکبر بادشاہ زبدۂ ارباب حال وقال
مولانا کمال از حسین خان مرزبانِ کشمیر رنجیدہ در سنہ ہفتصد وہفتاد ویک ہجری

[1] نسخۂ قلمی کتبخانۂ الاصلاح دسنہ (بہار)

بہ سیالکوٹ رسیدہ بدرس طلبۂ علم اشتغال ورزیدہ رواج علم دراں شہر دادہ، اما
درعہد خلافت شاہجہان بادشاہ افضل الفضلاء واکمل الکملا مظہر طبع مستقیم مولوی
عبدالحکیم کہ بحر مواج فضل وکمال ودر فضائل وافادات بے ہمال است بیشتر مروج
علم گردید وبر بعضے کتب حاشیہ تصنیف نمودہ محلل معانی مشکلہ گردیدہ وطلبۂ علم از ممالک
دور ونزدیک در مدرسۂ ایشاں رسیدہ فیضیاب شدند، وبعد رحلت ایشاں
مقتدائے اہل اللہ رہنمائے خلق اللہ مولوی عبداللہ خلف ووئی آں مغفور برونق
افزائی مدرسہ ورہنمائی طلبۂ علم اشتغال ورزیدہ فضائل معنوی را با علوم صوری ہمدوش
ودرویشی را با فضیلت ہم آغوش گردانیدہ، از افزونی حسن اخلاق ورہنمونی طبقات
خلائق این بزرگ را امام وقت می گفتند، در ۱۰۹۶ھ عالمگیری بعالم جاویدی شتافت"

درگاہ شیخ چلی

تھانیسر علاقہ پنجاب مین درگاہ شیخ چلی کے قریب ایک مدرسہ تھا جو مدرسہ شیخ
چلی کے نام سے مشہور بھی تھا، مدرسہ کی عمارت ایک سو چوہتر فیٹ مربع ہے، اس کے
ہر طرف نو نو در اور جانب مشرق دروازہ مع سیڑھیون کے بنا ہوا ہے، اس کے دروازے
ہندوانہ وضع کے ہین، جب سکھون نے زور پکڑا اور درگاہ شیخ چلی کو مندر بنایا تو اس عمارت
مین گرنتھ رکھا گیا، اب یہ عمارت شکستہ حال اور مرمت طلب ہے، اثریات ہند کے بیان
سے منکشف ہوتا ہے کہ اس مدرسہ کو ۱۰۷۱ھ مطابق ۱۶۶۱ء مین دارا شکوہ نے تعمیر کرایا تھا"

لہ غربت نگار بحوالہ اثریات ہند،

نارنول

شیر شاہ نے ایک مدرسہ نارنول مین قائم کیا، یہ مقام اب ریاست پٹیالہ مین داخل ہے، مقام بوال جو حصار اور جے پور ریلوے کے درمیان مین ایک اسٹیشن ہے، وہان سے پچھم تبیس ۳۲ میل دور واقع ہے، مدرسہ کی عمارت بہت بڑی اور شاندار تھی شیر شاہ کے دادا ابراہیم سور کی قبر یہین واقع ہے، ایک کتبہ جو مدرسہ کی عمارت پر اب تک لگا ہوا ہے، اس سے تاریخ تعمیر ۹۲۷ھ ظاہر ہوتی ہے، مدرسہ و مقبرہ کے تعمیری مصارف ایک لاکھ روپیہ سے زیادہ تھے، یہ مدرسہ شیر شاہ نے اپنے عہد حکومت سے پہلے دادا کے انتقال کے موقع پر بطور کار خیر کے بنوایا تھا، (اثریات ہند)

مدارسِ آگرہ

اس شہر نے اسلامی عہدِ حکومت مین مختلف حیثیتون سے ایسی ترقیان حاصل کین، جو دوسرے کسی شہر کو نصیب نہین، تعلیمی حیثیت سے ایک مدت تک فخر روزگار رہا، آگرہ مین متعدد مدارس قائم تھے، یہان کی تعلیم گاہون کے لئے شیراز سے علمار بلائے جاتے تھے، لالہ سیل چند جو غدر ۱۸۵۷ء کے پس وپیش زمانہ مین موجود تھے، اپنی کتاب تفریح العمارات مین لکھتے ہین کہ اُن کے زمانہ تک آگرہ مین ایک بہت بڑا مدرسہ موجود تھا، جس کی پروفیسری کے لئے شیراز سے ایک عالم بلوائے گئے تھے مصنف کی اصل عبارت یہ ہے،

" درعہد جلال الدین محمد اکبر شاہ جابجا مدرسہ ہا بودند استادان فارس و شیراز تعلیم می فرمودند، چنانچہ تاحال مدرسہ عالی اساس کہ رونق افزائے بوستان

سخنورلیست و دیباچۂ صحیفۂ سخنورلیست دریں دارالخلافت عظمت اساس وارد و بمشاہدۂ

مکاناتش تخم حیرت در دیدہ قریب می کارد؛"

اب اس مدرسہ کے کچھ آثار باقی نہین ہین، مدرسہ کی جگہ پر ایک بہت بڑا محلہ آباد

ہوگیا ہے، صرف یہی ایک نشان باقی ہے کہ یہ محلہ اب تک محلہ مدرسہ کہلاتا ہے،

شاہنشاہ اکبر نے اس مدرسہ کے لئے چلپی بیگ نام ایک شیرازی فاضل کو بلایا

تھا، جس کی طلبی کا فرمان ابوالفضل دفتر اول مین مذکور ہے،

شیخ زین الدین خوافی نے جو نظم و نثر کے ماہر تھے، آگرہ مین اپنا ذاتی مدرسہ قائم کیا،

جس کے مصارف کا تعلق بالکل ان کی ذات سے تھا، ۹۴۱ھ مطابق ۱۵۳۴ء مین جب

چنار کے قریب اُن کا انتقال ہوا تو وہ اسی مدرسہ کے صحن مین دفن کئے گئے، جو ان کا قائم

کیا ہوا تھا، یہ ہمایونی عہد حکومت کا ذاتی مدرسہ تھا، (منتخب التواریخ)

آگرہ نے اکبری عہدِ حکومت مین جو عروج اور ترقی حاصل کی تھی وہ جہانگیر کے

زمانہ تک باقی رہی، جہانگیر اپنے تزک مین لکھتا ہے کہ

"آگرہ کی آبادی صنّاعون اور طلباے علوم سے بھری ہے، ہر مذہب و ملّت کے

علما اس شہر مین آباد ہین"

جہانگیر نے یہ قانون وضع کیا تھا کہ

"حدود مملکت میں جہاں بھی کوئی مالدار رئیس یا بیرونی تاجر بغیر کسی جانشین یا وارث کے

مرجائے تو اس کی تمام جائداد و املاک بنام سلطنت منتقل ہو کر مدرسون اور خانقاہون پر

صرف ہو۔" (منتخب اللباب خوانی خان)

جام جہان کا مصنف لکھتا ہے کہ جہانگیر نے تخت نشینی کے بعد قدیم مدارس کو جو کچھ مدت سے پرندون اور جانورون کا مسکن بنے ہوئے تھے، طالب علمون اور استادون سے بھر دیا،

مولانا علاء الدین لاری جنھون نے شرح عقائد نسفی پر حواشی لکھے ہین، آگرہ مین درس دیا کرتے تھے جو مدرسہ انھون نے قائم کیا وہ مدرسہ خس کے نام سے مشہور ہوا، کیونکہ یہی اس کا تاریخی نام تھا، ملا بدایونی لکھتے ہین،

"باآگرہ آمدہ بدرس مشغول شدند و مدرسہ از خس ساختند و مدرسۂ خس تاریخش شد۔"

آگرہ کی جامع مسجد شاہجہان کی بڑی لڑکی جہان آرا بیگم کی یادگار ہے، بیگم نے اسی کے ساتھ ایک مدرسہ بھی قائم کیا تھا جو بہت دنون تک نہایت کامیابی کے ساتھ چلتا رہا اور شاید کسی نہ کسی صورت مین اب تک قائم ہے، مسجد کے گرداگرد دکانون کی آمدنی مسجد اور مدرسہ کے لئے وقف ہے،

آگرہ مین مدارس کی جو کثرت تھی، اس کا پتہ آج بھی محلون کے نام قدیم عمارات اور زبانی مشہور عام روایتون سے چل سکتا ہے،

بیانہ

منجملہ دیگر مدارس کے بیانہ کا ایک مدرسہ قابلِ ذکر ہے جس کو مولوی قاضی رفیع الدین صاحب نے قاضیون کی مسجد کے متصل قائم کیا تھا، مدرسہ کی عمارت پر جو کتبہ ہے اس سے

مدرسہ کا سالِ بنا ۹۸۱ھ معلوم ہوتا ہے، (اثریات ہند)

مدارسِ فتحپور سکری

اکبر نے بھی اپنے عہدِ حکومت مین متعدد مدرسے قائم کئے، فتحپور سکری مین پہاڑی کے اوپر اس نے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا، جس کے مثل کوئی سیاح بہت کم مدرسہ کا نام بتا سکتا ہے، غالبًا لالہ سیل چند اپنی کتاب تفریح العمارات مین حسب ذیل عبارت سے یہی مدرسہ مراد لیتے ہین،

"اکبر نے اجمیر سے واپس آکر فتحپور سکری کو اپنا دار السلطنت بنایا، یہان بہت سی عمارتین بنوائین، جن مین مدرسہ وخانقاہ وغیرہ بھی داخل ہین"

آئینِ اکبری مین لکھا ہے،

"بفرمانِ گیہان خدا مسجدے ومدرسہ وخانقاہے بر فرازِ آن کوہ انجام یافت، جہان دیدگان بدان نمط کم نشان دہند" (ذکر دار الخلافہ صوبہ آگرہ)

یہان ایک مدرسہ، مدرسۂ ابو الفضل کے نام سے تھا، بانی کی خوش نیتی دیکھیے کہ آج تک وہ قائم اور اسی مصرف مین ہے، یہ مدرسہ شاہی محل کی عمارتون کے بالکل قریب ہے،

ان کے علاوہ فتحپور مین اور مدارس کے نام مل تو سکتے ہین، لیکن چونکہ اُن کی کوئی تفصیلی حالت نہین ملتی، اس لئے ہم اُن کو قلم انداز کرتے ہین،

مدارس متھرا و نروار

سکندر لودی نے اپنے ایامِ حکومت مین بکثرت سرائین، مدرسے اور مسجدین

بنوائین، یہ بہت پابندِ شریعت، اور علم دوست بادشاہ تھا، ہندوؤن نے فارسی تعلیم اسی کے عہدِ حکومت سے شروع کی،

تاریخ داؤدی اور جام جہان نما سے معلوم ہوتا ہے کہ متھرا مین اس نے متعدد مدرسے قائم کئے، گو ان مدارس کی تفصیلی حالت نہین معلوم لیکن قاسم فرشتہ ان لفظون مین مجمل تذکرہ کرتا ہے،

" در بیشتر جائہا کہ ہندوان غسل میکردند، سرائے و مسجد و مدرسہ و بازار ساختہ موکلان گماشتہ اند"

سکندر نے جب ۹۱۴ھ مین علاقہ مالوہ کے قلعہ نروار کی تسخیر کا ارادہ کیا اور پورے آٹھ مہینے کی مسلسل کوششون کے بعد فتحیاب ہوا تو چھ مہینہ تک وہان اقامت گزین ہو کر مساجد و مدارس کی بنا و تاسیس مین مشغول رہا فرشتہ لکھتا ہے،

" و سلطان شش ماہ در پاے قلعہ نشستہ بتخانہا را برانداخت و مساجد بنا نمودہ مفتی و خطیب تعین فرمودہ و علما و طلبہ را وظائف مقرر ساختہ در آنجا متوطن گردانید"

(ذکر سکندر لودی)

مدارسِ بدایون

قدیم زمانہ سے یہ شہر پٹھان امراء اور شاہزادون کا مستقر رہا ہے، اسکی علمی و تعلیمی تاریخ دہلی و آگرہ کی طرح روشن ہے، لیکن آج اسکی تاریخی تفصیلات مجہول ہین، پھر بھی وہان ہمیشہ علماء و فضلاء کی جمعیت اور طلبہ کا ہجوم اس کی گذشتہ عظمت کی ہلکی سی یادگار ہے،

تاریخ شاہ عالم مین جس کو مسٹر فرینکلن نے شایع کیا ہے، لکھا ہے کہ

بدایوں کے قدیم عمارتوں کے ویران و منہدم حصے جو اب تک باقی ہین وہ دراصل باغون، مسجدون، خانقاہون اور قدیم مدرسون کے آثار باقیہ ہین، (صفحہ ۵۷)

بدایون کی جامع مسجد ۶۲۰ھ شمس الدین التمش کے عہدِ امارت مین بنی اس کے عقب مین مدرسہ معزی تھا، اگرچہ یقین کے ساتھ نہین کہا جاسکتا تاہم قرینہ و قیاس سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ یہ دونون عمارتین غالباً شمس الدین التمش ہی کی چھوڑی ہوئی یادگارین ہین،

مدرسۂ دارانگر

یہ امروہہ کے گرد و نواح مین ایک مشہور مقام ہے، یہان نجیب الدولہ نے ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا تھا، جہان سے بیشمار طلبہ نے فیض تعلیم حاصل کیا، اس مدرسہ مین خصوصیت کے ساتھ فرنگی محل کے اکثر فارغ التحصیل اشخاص مدرسین مین داخل تھے،

مدرسۂ رامپور

مولٰنا بحر العلوم کو نواب فیض اللہ خان نے رام پور بلایا، اور مدرسۂ عالیہ جو اب تک قائم ہے، اس کا صدر مدرس مقرر کیا، مولانا وہان پانچ برس تک درس تدریس مین مشغول رہے، ہندوستان کے دوسرے مشہور عالم ملاحسن بھی مدرسہ عالیہ رامپور مین عرصہ تک مدرس رہے، ان بزرگون کے فیض برکت سے تعلیم و تعلم کی وہان بڑی گرم بازاری رہی

مدارس شاہجہان پور و بریلی،

اخیر زمانہ مین روہیلکھنڈ پر حافظ الملک رحمت خان نے قبضہ کرلیا تھا، اپنی

نوابی کے زمانہ مین اُس نے روہیلکھنڈ[1] کے مشہور شہرون کو رشک دہلی بنادیا، مولنٰنا بحرالعلوم کو اصرار والتجا سے شاہجہان پور بلایا، ان کے لئے ایک خاص مدرسہ قائم کیا جس مین مولنٰنا بیس برس تک مشغول درس وتدریس رہے،

حافظ الملک رحمت خان کی علمی فیاضیان جس قدر بڑھی ہوئی تھین اور اس نے اپنے قلیل زمانہ مین تعلیم کی اشاعت جو کچھ کی مصنف گلِ رحمت[2] کے اس بیان سے اسکی تصدیق ہو گی،

"باستماع خبر قدر شناسی و دین پروری حافظ الملک صدہا علماء متبحر مثل مولنٰنا عبدالعلی لکھنوی وغیرہم در تمامی شہرہائے کیٹھر[3] مجتمع شدہ مواجب کثیرہ زیادہ از حاجت از سرکار می یافتند و در مدارس ومساجد کہ برائے ایشان از سرکار ترتیب یافتہ بود بفراغ خاطر درس وتدریس اشتغال می ورزیدند، ودرہر مدرسہ کتب درسی ووظیفۂ طلبہ از سرکار تعین می یافت"

---

[1] رسالہ قطبیہ [2] گل رحمت حافظ الملک اوران کے خاندان کی مفصل تاریخ ہے، حافظ الملک کے پوتے محمد سعادت یار اس کے مؤلف ہین، آغاز کتاب مین وہ لکھتے ہیں،

"در سال یکہزار ودوصد وچہل ونہ ہجری بندہ خاکسار محمد سعادت یار ابن حافظ محمد یار خان بندے از حالات وواقعات جد بزرگ خود اعنی حافظ الملک رحمت خان بہادر مرحوم کہ بکمال عدالت گستری ونیک نامی حکومتِ ملک کیٹھر فرمودہ اند، بقید تحریر می آورد ودر ضمنِ آن احوال بعضے پادشاہان وامیران آن عہد نیز می نگارد تا یادگار ماند واین تالیفِ نو مسمیٰ بہ گلِ رحمت منتخب است از کتاب گلستان رحمت کہ پیش ازین جناب عموی صاحب محمد مستجاب خان مرحوم بکمال تحقیق وتوضیح تسوید فرمودہ اند، [3] علاقہ روہیلکھنڈ کا قدیم نام ہے،

ایک ہندو مصنف کندن لال اشکی جو اسی زمانہ مین تھا اپنی تصنیف نزہتہ الناظر کے خاتمہ مین لکھتا ہے،

یاد دارم کہ در ایام تحصیل فقیر در بلدۂ بریلی قریب سہ صد کس طالب علم آشنائے فقیر بودند۔"

مدرسہ پیلی بھیت

حافظ رحمت خان نے شاہجہان پور اور بریلی کی طرح یہان بھی ایک مدرسہ بنوایا تھا، ساڑھے تین لاکھ کے صرفہ سے جامع مسجد بنائی تو اسی سلسلہ مین مدرسہ کی عمارت بھی تیار ہوئی، یہان بھی طلبہ کے لئے وظائف مقرر تھے، جب کوئی طالب علم فارغ ہوتا تو نواب مرحوم خود اپنے ہاتھ سے اس کے سر پر دستارِ فضیلت باندھتے اور اس کا وظیفہ شاہی خزانہ سے مقرر کر دیتے،

مدارس اودھ

اودھ نسبتہً اور صوبون سے اس خاص وصف مین ممتاز تھا کہ یہان پانچ پانچ دس دس کوس پر شرفا اور نجبار کے دیہات آباد تھے، جن مین اچھے اچھے علما و فضلا درس دیتے تھے، اور دور دور سے طلبہ آکر تحصیل علوم کیا کرتے تھے، سلاطین کی طرف سے ان مدرسون کے مصارف کے لئے دیہات معاف ہوتے تھے، مآثر الکرام مین مولوی غلام علی آزاد لکھتے ہین،

اگرچہ جمیع صوبجات ہند بوجود حاملان علم تفاخر دارند، اما صوبۂ اودھ والہ آباد خصوصیتے دارد کہ در ہیچ صوبہ نتوان یافت، چہ در تمام صوبہ اودھ و اکثر صوبہ الہ آباد بفاصلہ پنج کردہ نہایت دہ کردہ آبادی شرفا و نجباہست کہ از سلاطین و حکام وظائف و زمین و مدد معاش داشتہ اند

ومساجد ومدارس وخانقاہات بنا نہادہ ومدرسانِ عصر درہر جا ابواب علم بر روے دانش پژدہان کشادہ وطلباے علم خیل خیل می روند، وہر جا موافقت دست بہم داد بہ تحصیل علوم مشغول می شوند، وصاحب توفیقات ہر معمورہ طلبۂ علم را نگاہ می دارند، وخدمت این جماعت را سعادتِ عظمیٰ میدانند،

سہالی

انہی مشہور قصبون مین قصبہ سہالی بھی داخل تھا، جو لکھنؤ سے ۲۲ میل کے فاصلہ پر واقع ہے، شیخ نظام الدین انصاری ایک مشہور عالم اس قصبہ مین آکر سکونت پذیر ہوے اور انھون نے سلسلۂ درس وتدریس قائم کیا، اُن کے پرپوتے شیخ حافظ نے علم وفضل مین بڑی شہرت حاصل کی، یہ شہنشاہِ اکبر کا زمانہ تھا، جب وقائع نگارون کی اطلاع سے جس کا سلسلہ خصوصیت کے ساتھ تیموری عہد حکومت مین تمام ہندوستان مین پھیلا ہوا تھا، اکبر تک اس کی خبر پہونچی تو شیخ حافظ کے لئے جاگیر مقرر ہوئی، شیخ موصوف باطمینانِ تمام مشغلۂ درس وتدریس مین مصروف رہے، ان کی درسگاہ مین طلبہ کی سکونت کا انتظام بھی تھا، مصارف کی کفالت بھی تمام تر شیخ موصوف کرتے تھے، جس کا ذریعہ وہی شاہی وظیفہ تھا، ملا قطب الدین شہید شیخ حافظ کی نسل سے چوتھی پشت مین تھے، ملا قطب الدین کے والد لاہور کے کسی مدرسہ مین مدرس تھے، انھون نے زیادہ تر کتابین اپنے والد بزرگوار سے پڑھین اور کچھ دوسرون سے بھی، فراغت کے بعد سہالی ہی مین سلسلۂ درس جاری کیا، عالمگیر نے ان سے ملنے کی خواہش ظاہر کی، لیکن انھون نے اپنے زاویۂ عزلت سے باہر

نکلنا پسند نہ کیا، ملا صاحب نے ۱۱۰۳ھ مین شہادت پائی اور اس دن سے سہالی کی بزم علمی فرنگی محل کو منتقل ہوگئی،

لکھنؤ

لکھنؤ مین سب سے پہلے شیخ اعظم جونپور سے فیضیاب ہو کر آئے ان کے بعد شاہ پیر محمد نے یہان مدتون بڑی سرگرمی کے ساتھ بزم تعلیم گرم رکھی، ان کے بعد ان کے شاگرد رشید ملا غلام نقشبند نے اس مجلس علمی کو اور زیادہ رونق دی، یہ تو صحیح طور پر معلوم نہین کہ شاہ پیر محمد جہان تعلیم دیتے تھے وہ کونسی جگہ تھی، لیکن عجب نہین کہ جو مقام آج شاہ پیر محمد کا "ٹیلہ" کے نام سے مشہور ہے اس کی اس نام سے شہرت کا سبب یہی مجلس تعلیم ہو،

ملا قطب الدین شہید سہالوی کے نامور فرزند ملا نظام الدین کے فیض نے فرنگی محل کو ہندوستان کا دار العلم والعمل بنا یا، یہ اپنے والد بزرگوار کی شہادت کے وقت ۱۴ برس کے تھے، شرح ملا جامی تک تعلیم ہو چکی تھی، بقیہ کتابین ملا علی قلی جائسی، مولانا نقشبند گو رکھپوری مولنا عبد السلام دیوی اور مولنا امان اللہ بنارسی سے پڑھین،

۲۴ برس کی عمر مین فراغت تعلیم کے بعد مسند درس پر بیٹھے، اور سہالی کا چراغ علم و فضل فرنگی محل مین روشن ہوا، فرنگی محل کا مکان سکونت شہنشاہ عالمگیر نے عطا کیا تھا، فرمان کے چند جملے یہ ہین،

فرمان واجب الاذعان صادر شد کہ یک منزل حویلی فرنگی محل با متعلقہ آن واقع بلدۂ لکھنؤ مضاف بصوبۂ اودھ کہ از امکنۂ نزولی است برای بودن شیخ محمد سعد و محمد سعید پسران

ملا قطب الدین شہید حسب الضمن مقرر فرمودیم،

چونکہ ملا نظام الدین اس وقت صغیر سن تھے، اس لئے فرمان مین ان کا نام نہین مذکور ہے، نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام دنیاے اسلام مین یہ فخر صرف اسی خاندان کو حاصل ہے کہ تقریباً ڈھائی سو برس تک بلا فصل علما و فضلا پیدا ہوتے رہے، اوران مین سے ہر ایک نے اپنی زندگی محض علم و فن کی خدمت کے لئے وقف کردی، اوران کی درسگاہون سے ہزارون علما، نکل کر ملک کے ہر گوشہ مین پھیل گئے، اور الحمد للہ کہ یہ فیض اب تک جاری ہے،

اس سلسلہ مین دیوا، جائس، گوپامئو اور خیرآباد، وغیرہ قصبون کے نام بھی لینا چاہئین، جہان اول الذکر مین مولٰنا عبد السلام، ثانی الذکر مین ملّا علی قلی، ثالث الذکر مین قاضی مبارک، اور رابع الذکر مین مولٰنا فضل حق وغیرہ مدتون درس و تدریس مین مشغول رہے، اوران کے فیوض علمی بھی بہت کچھ عام تھے، ملا نظام الدین نے اول الذکر دو بزرگون کے حلقۂ درس کی شرکت کی، اور زانوے تلمذ تہ کیا تھا،

بلگرام بھی ان قصبات مین مخصوص حیثیت رکھتا ہے، تعلیمی حیثیت سے یہ جگہ بھی مدتون ممتاز رہی ہے، متعدد مشاہیر علما، و فضلا، اس کی خاک سے اٹھے،

یہ قصبات درحقیقت اپنے اپنے علما، کے فیض وجود سے بجائے خود کالج بلکہ یونیورسٹی تھے،

اس سلسلہ مین فتح گڈھ کا مدرسہ بھی قابل تذکرہ ہے، جس کو حکیم مہدی وزیر نواب سعادت علی خان اور نواب غازی الدین نے اپنے عہد قیام مین جب لکھنؤ سے فتح گڈھ کچھ دنون کے لئے آکر رہے تھے قائم کیا تھا، اس مدرسہ کے تفصیلی حالات نہین معلوم،

مسٹر فینی پارکس[1] نے اپنے روزنامچہ مین اس کا تذکرہ کیا ہے،

الٰہ آباد مین شیخ محب اللہ، قاضی محمد آصف، شیخ محمد افضل، شاہ خوب اللہ، شیخ محمد طاہر، حاجی محمد فاخر زائر، مولوی برکت اللہ، مولوی جار اللہ اور دوسرے باکمال علماء نے ایک مدت تک سلسلۂ درس و تدریس قائم رکھا، اور ان بزرگون کی مساعی جمیلہ کے باعث تقریباً سو برس تک وہان اچھی علمی رونق رہی، دائرہ شاہ افضل جو آج تک باقی ہے، اور کسی قدر اپنے قدیم فرائض کو ادا کرتا ہے، غالباً وہی مقام ہے جہان سے تشنہ لبانِ علم و فضل مدتون سیراب ہوتے رہے،

مدارس فرخ آباد

بہادر شاہ کے عہد حکومت مین فرخ آباد کے ایک مدرسہ کا پتہ چلتا ہے جس کا نام فخر المرابع تھا، بعض لوگ اسی نام کو ربع المفاخر کی صورت مین بدل کر قنوج کا بھی ایک مدرسہ بتاتے ہین، لیکن میری راے مین یہ اشتباہ اسمی ہے، ربع المفاخر یا فخر المرابع نام قنوج مین کسی مدرسہ کا تذکرہ مجھے کتب تاریخ مین نہین ملتا، فخر المرابع فرخ آباد کا مدرسہ ہے، جس کے بانی مولوی ولی اللہ نامی ایک بزرگ تھے، مولوی علیم الدین اور مولوی نعیم الدین نے اسی درسگاہ مین تعلیم پائی تھی[2]،

حسن رضا خان وزیر آصف الدولہ نے فرخ آباد (مگر صحیح غالباً فیض آباد) مین ایک مدرسہ قائم کیا[3]، جس کے ایک مدرس مولنا عبد الواحد خان خیر آبادی تھے، یہ زمانہ شاہ عالم کے

[1] معارف، مضمون حکیم مہدی، یوپی ہسٹاریکل سوسائٹی [2] "ہندوستان کی علمی ترقی شاہان اسلام کے عہد مین"، از نرندر ناتھ لا [3] ایضاً،

عہد حکومت کا تھا،

مصنف آثار خیر کے بیان کے مطابق یہان ایک مدرسہ نواب محمد خان بنگش والی فرخ آباد کا تعمیر کرایا ہوا بھی تھا، جہان یہ مدرسہ تھا وہ مقام اب تک مدرسہ کے نام سے مشہور اور محلہ چھاؤنی مین واقع ہے، افسوس ہے سالِ تعمیر اور دیگر حالات کچھ معلوم نہ ہو سکے،

مدارس جونپور

اسلامی عہد حکومت مین جونپور کی تعلیمی و علمی اہمیت اس درجہ ممتاز تھی کہ اس کو شیراز ہند کا لقب دیا گیا، شاہجہان فخریہ کہا کرتا تھا، کہ

"پورب شیراز ماست"

اور خاص جونپور کو اس نے شیراز ہند کا خطاب دیا تھا، ہندوستان کے مشہور بادشاہ شیرشاہ نے اس علمی سرزمین کو آغوشِ تربیت مین پرورش پائی تھی، شیرشاہ کو سکندر نامہ گلستان، بوستان وغیرہ کتابین زبانی یاد تھین، فلسفہ کی تعلیم بھی پائی تھی، اس کی تعلیم عربی کے سلسلہ مین کافیہ اور شرح کافیہ، شیخ شہاب الدین کا تذکرہ آتا ہے، قدیم سلاطین کی تاریخ کا بڑا شائق تھا، علماء و شیوخ کے ساتھ اکثر مدارس اور خانقاہون مین جاتا تھا، علماء کے لئے اس نے بکثرت مدد معاش کی رقمین مقرر کی تھین،

۵۶ یا ۱۴۵۷ھ[1] مین بی بی راجہ بیگم نے جونپور مین ایک مدرسہ قائم کیا، جو مدرسہ

[1] جونپور نامہ،

بی بی راجہ بیگم کے نام سے موسوم ہوا، جب ۹۰۱ھ یا ۹۰۲ھ مین سلطان سکندر لودی نے

جون پور کو فتح کیا تو حسین شاہ شرقی کی اس شکست پر سلاطینِ شرقیہ کی حکومت کا بھی

خاتمہ ہوگیا، سکندر لودی نے فتح پاتے ہی مساجد و دیگر عماراتِ مقدسہ کو چھوڑ کر اور دوسری

عمارتون کے انہدام کا حکم دیا، گو اس دن سے حکومتِ شرقیہ کا چراغ گل ہوگیا، لیکن

جونپور کی بزم علمی منتشر نہ ہونے پائی، اب جونپور کا انتظامی تعلق براہِ راست دہلی

سے متعلق ہوگیا، شاہجہان کا یہ فخر آمیز جملہ کہ

"پورب شیراز ماست"

اوپر لکھا جا چکا ہے، اُس نے حکام جون پور کو عام طور پر حکم دے رکھا تھا کہ وہان

کے علماء و طلبہ کو ہمیشہ وظائف دیئے جایا کرین، اور واقعہ نگار ہر مدرسہ کے حالات لکھین،

جب شاہجہان کو کسی نئے مدرسے کے قیام اور استحقاقِ اعانت کی خبر ملتی تھی، تو فوراً

اس کے لئے وظائف مقرر کرتا تھا، جب ملک کے امراء شاہزادے اور حکام جونپور

سے گذرتے تھے تو وہ ان مدرسون کے دیکھنے کے لئے لازمی طور پر قیام کرتے تھے،

نیز جیب خاص سے بیش از بیش عطیے دیتے تھے، تا کہ اس طرح شاہانِ دہلی کی خوشنودی

حاصل کرین،

تقریباً ۱۱۴۷ھ مین نواب سعادت خان نیشاپوری جب اودھ، جون پور

اور بنارس کا صوبہ دار مقرر ہوا تو حسب دستور اس نے بھی اس عظیم الشان شہر کی

لہ جونپور نامہ،

زیارت کی، لیکن اس بنا پر کہ علماء اس سے ملنے کے لئے نہین آئے، خفا ہو کر چلا گیا، اور دے گیا کہ اُن کی جاگیرین ضبط کر لی جائین، اس حکم کی تعمیل ہونا تھی کہ دفعتہً جون پور کی تمام علمی و تعلیمی سرگرمیون پر اوس پڑ گئی، طلبہ اور علماء وہان سے چلے گئے، اور تمام آباد مدرسے ویران ہو گئے، ۱۱۸۰ھ مین آصف الدولہ نے اُن کی جاگیرون کی واپسی کا حکم دیا، لیکن ایلچ خان نے مخالفت کی، اسی زمانہ مین جون پور انگریزون کے قبضہ مین آگیا، ۱۷۸۸ء مین جب ڈنکن نے اس شہر کو دیکھا ہے تو اس کی بربادی پر افسوس کیا، اس زمانہ کے کمشنر اور کلکٹر بنارس کے سرکاری کاغذات مین اس کی گذشتہ عظمت کے غیر فانی نقوش باقی ہین، مرقوم[1] ہے کہ

"جون پور جو مسلمانون کے علوم و فنون کا مرکز اور علما کا مرجع تھا جس کو شیراز ہند کا خطاب حاصل تھا، جہان بہت سے مدارس قائم تھے، اور جس کی اب صرف گذشتہ عظمت کی داستان ہی داستان باقی رہ گئی ہے ہم کہہ سکتے ہین کہ یہ شہر ہندوستان کا شیراز تھا، یا ازمنہ وسطیٰ کا پیرس، جون پور کا ہر شاہزادہ اس پر فخر کرتا تھا کہ وہ علم و حکمت کا مربی ہے، علماء اور حکما اس شاہی دار الحکومت کی پر امن سرزمین مین ہر طرح کی علمی ترقیون کے لئے ہمہ تن کوشان رہتے تھے، محمد شاہ کے زمانہ تک ۲۰ مشہور مدرسے جون پور مین موجود تھے، جن کے اب صرف نام ہی نام باقی رہ گئے ہین، اُن مین سے ایک کا بانی پندرہوین صدی کے وسط مین مرا اور ایک اور کا بانی

[1] کتاب زندرا ناتھ لا،

سترہوین صدی کے وسط مین "

اٹالہ کی مسجد

جونپور کی یہ مشہور ومعروف مسجد دراصل ملک العلماء شہاب الدین دولت آبادی کا مدرسہ ہے، جس مین ایک مدّت تک اس فخر روزگار ہستی کی بدولت بزم تعلیم گرم رہی، اس کے گرد وپیش جو وسیع سلسلہ حجرون کا ہے اس کو علما وطلبہ کی اقامت گاہ سمجھنا چاہیئے،

بنارس

یہان مولنا امان اللہ بنارسی کی بہت مشہور درسگاہ تھی، جہان سے ملّا نظام الدین نے بھی فیض حاصل کیا تھا، لیکن یہ معلوم نہین کہ اس کی حیثیت کیا تھی، اگر کوئی خاص مدرسہ تھا تو مجھے اس کے متعلق کچھ تفصیلی معلومات نہ بہم پہنچ سکین،

اعظم گڈہ

یہ چھوٹا سا ضلع گو بالکل نیا ہے، لیکن قدیم زمانہ مین اس کا تعلّق جون پور سے رہا ہی اور اس کے اکثر فرزند اسی تعلّق سے جون پور کے انتساب سے مشہور ہین، ملّا محمود جونپوری مشہور ہین، لیکن وہ دراصل یہین کے باشندہ تھے، چریاکوٹ، محمد آباد، ولید پور، نظام آباد، ماہل، سرائے میر، مبارک پور، مئو، اسکے مشہور قصبات ہین،

ولید پور ملّا محمود کا مولد ہے، مولوی حسن علی مدرس ومفتی مدارس ماہل کے تھے، چریاکوٹ کی خاک سے اس آخری دور مین مولنا عنایت رسول صاحب اور مولنا فاروق صاحب جیسے فخر روزگار فضلا پیدا ہوئے، اس ضلع مین گذشتہ ایام کی کثرت تعلیم

کے آثار ابھی تک صاف نمایان ہین،

غازی پور

اس سلسلہ مین غازی پور بھی تعلیمی حیثیت سے قابلِ تذکرہ مقام ہے، اس سرزمین سے بھی اکثر علماء و فضلا پیدا ہوے، مولانا فصیحی اور مولانا عبد اللہ غازیپوری کی ذات یہان کے لئے ہمیشہ سرمایۂ فخر رہے گی، گذشتہ زمانہ مین پورب سے آکر یہان اکثرون نے تعلیم پائی، آج کل بھی یہان کا ایک قدیم مدرسہ اپنی فارسی تعلیم کے لئے ممتاز خصوصیت رکھتاہے،

مدارس بہار

چھٹی صدی ہجری کے آخر مین محمد بختیار خلجی سب سے پہلے بہار و بنگال مین فاتحانہ داخل ہوا تفصیل نہین ملی، لیکن طبقات ناصری اور دوسری تاریخون سے اتنا اجمالاً معلوم ہوتاہے کہ بختیار خلجی نے اپنے مفتوحہ علاقون کے بعض شہرون مین متعدد مدرسے قائم کئے، بختیار خلجی، قطب الدین ایبک کا معتمد امیر کبیر تھا، اسی بختیار کی فاتحانہ کوشش کی بدولت علاقہ بہار و بنگال مین شریعتِ اسلام کا نشر و ظہور ہوا، فرشتہ لکھتاہی،

"اولین کسے از شاہانِ اسلام کہ بآن نواحے رفتہ و شعارِ اسلام را دران حدود رواج دادہ، محمد بختیار خلجی است" (جلد ۲)

بہار کی علمی و تعلیمی تاریخ گو تفصیل کے ساتھ اس وقت پیش نہین کی جاسکتی، کیونکہ مجھے تفصیلات بہم نہین پہونچین، لیکن وہان کا موجودہ علمی و تعلیمی فروغ اس کے

شاندار و درخشان ماضی کی بہت بڑی دلیل ہے، ایک زمانۂ دراز سے وہان تعلیم عام ہی، ہر دور مین علمائے عظام گذرتے رہے، چنانچہ آج سے تقریباً چار سو برس پیشتر سلطان سلیم شاہ کے عہدِ حکومت مین شیخ علائی بانی فرقۂ مہدویہ اور علمائے وقت مین جب مہدویت کی نسبت مناظرہ پیش آیا تو اس کے حکم ایک بہاری عالم شیخ طیب بدہن تھے، ان کے علاوہ ملا محب اللہ اور غلام یحییٰ اپنے عہد کے مشہور ترین اساتذہ گذرے ہین، عام تذکرون سے صرف اتنا معلوم ہوتا ہے کہ اُن کا سلسلۂ تلامذہ اور حلقۂ درس نہایت وسیع تھا، یقینی و تصریحی طور پر معلوم نہین کہ یہ جہان درس دیتے تھے وہ خاص مدرسہ تھا یا کوئی اور عمارت، بہر حال یہ مسلّم ہے کہ علم و فن کی اشاعت و ترویج مین ان بزرگون کا بہت بڑا حصّہ ہے، کتبِ درسیہ مین بھی جس قدر اون کی تصنیفات کا غلبہ ہے وہ ہر شخص کو معلوم ہے،

علمائے بہار مین سے متعدد اشخاص سلاطینِ مغلیہ کی طرف سے اعلیٰ مناصب پر بھی فائز ہوئے، بادشاہ نامہ کا مصنف ملا عبد الحمید لاہوری علمائے عہد شاہجہانی کے سلسلہ مین لکھتا ہے،

سید احمد سعید موطنش از توابع صوبۂ بہار است، علوم عربیت خصوصاً علم فقہ کہ دران نیک مستحضر است نزد والد خود ملا سعد کہ از فضلائے آن دیار بود اندوختہ بدرگاہ کیوان جاہ آمدہ بقلاوروزی اختر مسعود داخل بندگانِ سعادت آئین گردید و پس از چندے بخدمت افتائے اردوے گیہان پوے نوازش یافت، (جلد دوم صفحہ ۵۵)

مولوی سراج الدین احمد متوطن فرید پور شاہ عالم بادشاہ کے استاد تھے،

مصنف تذکرۂ صبح گلشن مولوی امان علی ممتاز کے تذکرہ مین لکھتا ہے،

نبیرۂ مولوی سراج الدین احمد متوطن فرید پور کہ بفاصلۂ شانزدہ کردہ از عظیم آباد ست

واین مولوی سراج الدین احمد شاہ عالم عالی گوہر بادشاہ دہلی را استاد بود"

بہار مین عموماً یہ صورت رہی ہے کہ اکثر رؤسا و امرا علم و فن کی دولتِ لازوال سے بھی مالامال ہوتے تھے، اور وہ ضروریاتِ دنیاوی سے بے نیاز رہ کر اپنے کاشانون مین بیٹھے ہوئے تعلیم و تدریس کے ذریعہ سے علم و فن کی بہترین خدمات انجام دیتے تھے، اور جو امرا اہل علم نہ تھے وہ اپنی معاصرانہ عزت برقرار رکھنے کے لئے علما و فضلا کو اپنے دامنِ دولت سے وابستہ رکھتے تھے، طلبہ کیلئے وظائف اور جاگیرین مقرر کرتے تھے، اور وہ اس کار خیر کو نجاتِ اخروی کا ذریعہ سمجھتے تھے، چنانچہ آج تک اس مقدس رسم کی یادگارین بہار مین موجود ہین،

بہار کے مشہور علمی قصبات و دیہات،

یہان زمانۂ قدیم سے متعدد قصبے اور گاؤن علمی مرکز رہے ہین، جہان سے اس آخری دور مین بھی مشاہیر علما، پیدا ہوئے، اس سلسلہ مین چند گاؤن کا تذکرہ ضروری ہے، جو بہت مشہور و معروف ہین،

منیر | یہان متقدمین مین جناب شاہ شرف الدین احمد اور متاخرین مین مولوی

غلام مجیب مولوی اظہار الدین اور مولوی لطف علی بڑے پایہ کے علماء گذرے ہین،

سہسرام مولوی سلیم اللہ اور شاہ کبیر الدین صاحب مشہور اشخاص تھے،

موضع رہائی یہان مولوی مفتی غلام قادر صاحب مشہور عالم تھے،

ڈیانوان یہان مولنا مولوی شمس الحق صاحب محدث، مولوی حافظ نور احمد صاحب، مولوی محمد زبیر صاحب مشہور ارباب علم و دولت تھے، اوّل الذکر وہ مائہ ناز ہستی ہے، جس پر اس آخری دور مین ہندوستان جس قدر چاہے فخر کر سکتا ہے، تمام عمر خدمت علم حدیث مین بسر کر گئے تحصیل حدیث کے لئے آپ کے ہان اکثر مدنی، یمنی، اور نجدی عرب طلبہ آتے تھے، مرحوم نے فنِ حدیث مین سنن ابی داؤد کی وہ بہترین شرح لکھی جس کو پڑھ کر عرب وعجم کی زبان سے بے ساختہ صدائے تحسین وآفرین بلند ہوئی، التعلیق المغنی علی الدار قطنی بھی مرحوم کی عمدہ تصنیف ہے، آخر الذکر افسوس ہے کہ جلد اس دنیا سے رخصت ہو گئے، معقولات اور اقلیدس مین یہ خاص طور پر مہارت رکھتے تھے،

محی الدین پور وطن مولانا تلطف حسین مرحوم، جو ہندوستان کے مشہور عالم اور طبقۂ اہلحدیث کے ایک ممتاز و سربرآوردہ رکن تھے،

لہ تذکرہ روز روشن،

نگرنہسہ یہ زمانۂ قدیم سے علماء وفضلا کا گہوارہ ہے، مولانا علیم اللہ، مولانا سلیم اللہ، مولانا امان اللہ، مولانا مدین اللہ، مولانا ابراہیم، مولانا تصدق حسین، خلاق، مولانا گلزار علی، اور مولانا علیم الدین، اسی خاک سے اٹھے،

مولانا امین اللہ امین، یہ مختصرات مین مولانا جمال الدین بہاری، مطولات

مین مولانا قائم الله آبادی اور تفسیر وحدیث مین مولنا شاہ عبدالعزیز صاحب دہلوی کے شاگرد تھے، انھون نے میرزاہد پر حاشیہ لکھا مسلم الثبوت کی شرح لکھ رہے تھے، کہ اسی اثنار مین وفات پائی، ان کی ایک تصنیف قصیدۂ عظمی شائع ہو چکی ہے، اس مین نعت اور معجزات اور دیگر واقعات حیاتِ طیبہ نبوی کو نظم کیا ہے، صحت، حسنِ ترتیب اور اختصارِ بیان کا سررشتہ لائق مصنف نے کسی موقع پر بھی ہاتھ سے جانے نہین دیا، زبان فارسی ہے، اور وہ اس درجہ بلند کہ مصنف پر اہلِ زبان ہونے کا دھوکا ہوتا ہے، ایرانی بھی اس کو پڑھکر جھومتے ہین، مطلع یہ ہے،

مخدرات سراپردہاے قرآنی،

چہ دلبراند کہ دل می برند پنہانی

مولانا ابراہیم مرحوم، ان کی ایک تصنیف فارسی مین مجبی شرح دیوان متنبی مشہور و متداول کتاب ہے، مولانا تصدق حسین خلّاق فارسی مین یدِطولیٰ رکھتے تھے، مذاق نہایت عمدہ اور لطیف تھا، ایک غزل کے تین شعر ملاحظہ ہون،

اے زلفِ یار بامنت این پیچ وتاب چیست ‌‌‌‌ — ‌ دل را سپردہ ام تو دیگر عتاب چیست

آہستہ روکہ سیر بہ بینم جمالِ دوست — اے عمر تیز گام ترا این شتاب چیست

مویت سفید گشتہ و خلّاق غافلی — صبح از افق دمیدہ دگر وقت خواب چیست

مولانا علیم الدین مرحوم جامعِ علوم وفنون تھے، سلّم الافلاک اُن کی یادگار ہے[۱]

---

[۱] یادگارِ وطن شوق نیموی،

نیمی یہ مولانا ظہیر احسن صاحب شوق مرحوم کا مولد و منشا ہے، جو عربی، فارسی اور اردو نظم و نثر مین سرآمد روزگار تھے، متعدد مختصرات کو چھوڑ کر فن حدیث مین آثار السنن اُن کی ایک مطول تصنیف ہے، اس کا ایک حصہ چھپ کر شایع ہو چکا ہے، دوسری جلد کے کچھ اجزا سُنا ہے، کہ موجود ہین، لیکن افسوس اخلاف مین کوئی اس قابل نہین کہ اُن کو ترتیب دے کر شایع کرنے کا فرض ادا کر سکے، یہ کتاب جس پایہ کی ہے، اسکو کچھ اہل نظر ہی سمجھ سکتے ہین، اردو شاعری مین اُن کو ممتاز درجہ حاصل تھا، ایک دیوان اور ایک مشہور مثنوی سوز و گداز ان کی یادگار ہے،

کھنّہ مولوی سعادت حسین صاحب مرحوم مدرس مدرسہ سہارنپور و مدرسہ عالیہ کلکتہ کا وطن،

گیلانی مولوی احسن صاحب منطقی کا مولد و منشا،

استھانوان مولانا حافظ وحید الحق صاحب مرحوم کا وطن ہے، تلامذہ کی جماعت کثیر کے علاوہ آپ کے علمی فیوض کی زندہ یادگار، مدرسہ اسلامیہ بہار ہے، جو آج تک اس دیار و اطراف کے لئے سرچشمۂ علوم کا کام دیتا ہے، دوسرے، عالم مولوی محمد احسن صاحب مرحوم بھی یہین کے تھے، یہ زیادہ تر بہار کی خانقاہ محل مین مصروف درس و تدریس رہے،

ویسنہ مسکن مولانا مصطفےٰ اشیر صاحب مدرس اعلیٰ مدرسہ خانقاہ سہسرام، مولنا محمد یعقوب صاحب ریاضی دان مدرس بہار،

رحیم آباد | یہ مولانا عبد العزیز صاحب مرحوم کا وطن ہے،

یہ تو جو کچھ تھا خاص صوبہ بہار مین تھا، لیکن بہار کے علمی فیوض بہار ہی تک محدود نہ تھے، وہان کے اکثر فضلا اپنے وطن سے باہر نکل کر دوسری جگہ کی علمی مجلسون کی بھی رونق بڑھاتے تھے، مثلاً اکثر اشخاص اودھ اور دہلی ابتداءً تعلیم کے لئے آئے اور آخر مین یہین اپنے اساتذہ کے مسند درس پر متمکن ہوگئے، اودھ مین ملا محب اللہ اور دہلی کے اس آخر زمانہ مین مولانا نذیر حسین صاحب محدث دہلوی اس کی آخری مثال تھے، ثانی الذکر صوبہ بہار کے ایک چھوٹے سے قصبہ سورج گڈھ کے رہنے والے تھے، انھون نے علم حدیث کی جو خدمت دہلی مین بیٹھ کر کی، اس سے ہر شخص واقف ہے، آج ہندوستان کا کوئی گوشہ آپکے تلامذہ سے خالی نہین،

صوبہ بہار مین قدیم تعلیم کی جو کثرت تھی اور ہے، اس نسبت سے درحقیقت مخصوص پرانے مدرسون کا علم مجھے کچھ بھی نہ ہوسکا، تاہم چند مدرسون کا اجمالی حال معلوم ہوا ہے، اور وہ یہ ہین،

سہسرام

یہان حضرت شاہ کبیر علیہ الرحمہ کی خانقاہ سے متعلق ایک عظیم الشان مدرسہ ہے، مدرسہ مین ایک وسیع اور عمدہ کتب خانہ بھی ہے جس کی مالیت کا تخمینہ تقریباً ایک لاکھ روپے بیان کیا جاتا ہے، مدرسہ و خانقاہ کے لئے بہت بڑی آمدنی کی جائداد فرخ سیر اور شاہ عالم کے عہد سے وقف ہے یہ دونون مقامات اب تک اس دیار مین سرچشمۂ

فیوض و برکات ہین، (آثار خیر)

مدرسہ داناپور

داناپور مین نواب آصف خان نے مسجد و مدرسہ کی بنیاد ڈالی، لیکن اس کے عہد مین عمارت تکمیل کو نہ پہنچ سکی، نواب ہیبت جنگ نے اپنے عہد مین ان عمارتون کو مکمل کیا، مولوی عبدالحق صاحب دہلوی اپنی کتاب غرایب نگار مین لکھتے ہین،

ان عمارتون کی خوش وضعی کو وہان کی کوئی دوسری عمارت نہین پہنچ سکتی،

مدرسہ خانقاہ پھلواری

صوبہ بہار مین اس قصبہ کو جو پٹنہ سے ۶یا ۷ میل پر واقع ہے، وہی درجہ حاصل ہے، جو اودھ مین فرنگی محل کو، یہان کا سجادہ اور خانقاہ جب سے قائم ہے، علوم ظاہری و باطنی کا مرکز ہے، یہ خاص خصوصیت اس خانقاہ کی ہے کہ یہان کے سجادہ نشین صاحب درس علماء بھی تھے، جب جب ادھر سے مشہور علماء کا گذر ہوا ہے، تو وہ یہان ضرور تشریف لائے ہین، مثلاً ملا بحر العلوم جب بوہار (بنگال) تشریف لے گئے ہین، تو انھون نے یہان بھی قیام کیا، مولانا اسمٰعیل شہید و مولانا عبدالحئی دہلوی بھی یہان تشریف لائے،

بہار کا یہ فخر بھی قابل ذکر ہے کہ وہان کے علما ہندوستان کے اکثر علمی کارنامون مین شریک رہے، چنانچہ فتاوی عالمگیری کے جمع و ترتیب مین بھی بہار کے دو عالم شریک تھے، اس مین سے ایک اسی پھلواری کے باشندہ تھے، اور دوسرے مونگیر کے، پھلواری کی خانقاہ مین علمائے مدرسین ہمیشہ رہے اور آج بھی رہتے ہین، وہان

طلبہ کو جاگیرین ملتی ہین، اور سلسلۂ تعلیم و تدریس برابر جاری رہتا ہے، بحمد اللہ کہ یہ سلسلہ آج تک کبھی منقطع نہ ہوا،

مدرسہ پٹنہ

خاص شہر عظیم آباد مین ایک محلہ ہی مدرسہ مسجد کے نام سے موسوم ہے، مسجد کی عمارت اب تک قائم ہے، سلسلۂ عمارات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمارتین دور تک پھیلی ہوئی تھین، موقع نہایت عمدہ ہے، یعنی یہ مسجد بالکل دریاے گنگا کے کنارے واقع ہے، مسجد نہایت وسیع ہے، آس پاس کی عمارتین منہدم ہوگئی ہین، گو ابھی کسی قدر جابجا در و دیوار باقی ہین، لیکن اس قابل نہین کہ موجودہ آثار باقیہ سے ان کی اصلی ہیئت و شان کا پتہ لگایا جاسکے، اب قرب وجوار کے اہل محلہ اس کی زمین کو اپنے مکانون مین شامل کرتے جاتے ہین، جس سے کچھ دنون مین بقیہ آثار بھی مٹ جائین گے،

مجھے کسی کتاب یا کتبہ سے تصریح نہ معلوم ہوسکی، لیکن عظیم آباد کے بڑے بوڑھون کی زبانی یہ روایت سننے مین آئی کہ ان عمارتون کا تعمیر کرنے والا **سیف خان** نامی کوئی امیر تھا، اس نام کا ایک صوبہ دار **بہار و بنگال** جس کا صدر مقام پورنیہ تھا بے شبہہ گذرا ہے، ممکن ہے، اسی نے پٹنہ مین یہ عمارتین بنوائین ہون، ایک اور **سیف خان** صوبہ دار بھی جو بہت علم پرور تھا، گذرا ہے، لیکن اس کی مدت اقامت کم و بیش دو سال کی ہے، اس قلت مدت کی وجہ سے یہ نہین خیال ہوسکتا کہ یہ عمارتین اسی نے تعمیر کرائی ہین، کیونکہ اس سلسلۂ عمارت کی وسعت و شان کم از کم چھ سات سال کی مدت چاہتی ہے،

خاص پٹنہ کے محلہ صادقپور مین جو مشہور خاندان ہے وہ صرف علم وفن کے لئے مشہور ہے، اس خاندان مین متعدد علماے کبار پیدا ہوئے جن کی سوانح عمریان شایع ہو چکی ہین، اور جن سے اکثر اشخاص واقف ہو چکے ہین، اس لئے یہان پر مجھے تفصیل بیان کرنے کی کوئی ضرورت نہین، یہان کے ہر عالم نے درس وتدریس کا سلسلہ برابر جاری رکھا، خاندان دولت مند تھا، اس لئے بہت کچھ طلبہ کی کفالت یہین سے ہوتی تھی، پٹنہ مین شمس العلما مولوی سعید صاحب ایک مشہور رئیس صاحب علم وفضل گذرے ہین، جن کا نام بھی ہمیشہ علمی دنیا مین وقعت کے ساتھ لیا جاے گا،

آخری دور مین مولانا حکیم عبدالحمید صاحب، مولوی عبدالباری صاحب مولوی کمال صاحب علی پوری مولنا عبدالحکیم صاحب صادقپوری یگانۂ روزگار وفخر علم وفن تھے، اس وقت بھی اس شہر مین متعدد مدارس عربیہ قائم ہین،

مدارس بنگال

بہار کے تذکرہ مین یہ بتایا جاچکا ہے کہ محمد بختیار خلجی سب سے پہلا امیر ہے جو ان حدود کو فتح ومسخر کرسکا، اس کی فتوحات کی سرحد بنگال کے قدیم شہر ندیا تک وسیع تھی بختیار نے قدیم شہر ندیا کی جگہ رنگ پور نامی شہر آباد کیا، اور وہان متعدد مسجد، مدرسے، اور خانقاہین تعمیر کرائین، چنانچہ فرشتہ لکھتا ہے،

"و در سرحد بنگالہ درعوض شہر نودیا شہرے موسوم بہ رنگ پور بنا کردہ دارالملک خود ساخت ومساجد وخانقاہ ومدارس دران شہر وولایت برسم اسلام برونق ورواج

تمام مزین ومحلی گردانید، (فرشتہ جلد دوم)

غیاث الدین صوبہ دار بنگال نے مسند نشین ہوتے ہی ایک مسجد، ایک مدرسہ اور ایک کاروان سرا لکھنوتی مین بنایا[1]،

قریہ عمر پور مین ایک مقام ہے جس کا نام اب تک "درسباڑہ" یعنی مدرسہ مشہور ہے[2]، اس کے باقی ماندہ در و دیوار پر ایک کتبہ ہے، جس سے اس کی تعمیر عہد یوسف شاہی کی معلوم ہوتی ہے، اس کتبہ مین ایک مسجد کا بھی ذکر ہے، جس کے آثار اب بالکل نہین ملتے آثریات ہند کے بیان سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسجد مدرسہ کی عمارت سے ملحق تھی،

ایک مدرسہ **استھی پور** مین بھی تھا جس کے باقی ماندہ نشانات کا نام ابتک مدرسہ ٹیلہ ہی ہے[3]،

گور مین ایک مربع عمارت کے آثار ساگرڈگھی کے شمالی کنارہ پر موجود ہین، جس کے متعلق بیان کیا جاتا ہے کہ یہ مدرسہ تھا، قیاس غالب یہ ہے کہ اس مدرسہ کا بانی حسین شاہ ہوگا، عمارت کے موجودہ آثار بتاتے ہین کہ یہ مدرسہ نہایت خوبصورت عظیم الشان اور وسیع ہوگا، جابجا سنگ مرمر اور سنگ سرخ کے نشانات ملتے ہین، جس سے اچھی طرح واضح ہوتا ہے کہ یہ عمارت گور کی دوسری قدیم عمارتون کی بہ نسبت زیادہ باشان و شوکت اور عمدہ ہوگی،

خورشید جہان نامہ کے مصنف **الٰہی بخش حسینی** کے بیان سے گور محلۂ غزہ شہید یا گور شہید مین ریاض السلاطین کے مصنف غلام حسین کے مکان کے قریب بھی ایک مدرسہ کا

لہ[1]، لہ[2]، لہ[3] از کتاب بابو نرندر ناتھ لا۔

پتہ چلتا ہے، اس مدرسہ کے باقی ماندہ عمارت پر جو کتبہ ملا ہے اس سے بانی کا نام حسین شاہ ظاہر ہوتا ہے، کتبہ کی عبارت کا ترجمہ یہ ہے،

"رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہے اطلبوا العلم ولو کان بالصین، یہ مدرسہ عالیشان سلطان عظیم سید السادات علاء الدنیا والدین ابو المظفر حسین شاہ الملک الحسینی خلد اللہ ملکہ کے حکم سے یکم رمضان ۹۰۷ھ مین بنایا گیا ہے،

گور کے ان دونون مدرسون کا تذکرہ نرندرا ناتھ لا نے اپنی کتاب "ہندوستان کی علمی ترقی" مین کیا ہے، حاشیہ پر ریونشا صفحہ ۴۳ اور ۸۰ کا حوالہ دیا ہے، لیکن قرینہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یا تو یہ دو مدرسے نہین ہین، دراصل ایک مدرسہ ہے اور چونکہ خورشید جہان نامہ کے مصنف نے اُس کا پتہ دوسرا دیا ہے، اس سے دھوکا ہوا اور دو مختلف مدرسے سمجھ لئے گئے" یا یہ کہ پہلے مدرسہ کے بانی کا نام حسین شاہ جو قیاس کیا گیا ہے یہ غلط ہے، کسی دوسرے نے اس کو بنوایا ہو، اس صورت مین البتہ یہ دو مدرسے ہو سکتے ہین،

ڈھاکہ

امیر الامرا شائستہ خان، عالمگیر کا ماموں اور عہد شاہجہانی و عالمگیری کا ممتاز امیر، جو مختلف حصص ملک کا ناظم رہا تھا، اور جہان جہان گیا، اس نے اپنی یادگارین چھوڑی تھین، جس کی نسبت مصنف ماثر الامرا لکھتا ہے کہ

آثار خیر از قبیل رباط و مسجد و جسر (کہ لکھا بصرف آن رفتہ) در چار دانگ ہندوستان از وے بسیار یادگار" صفحہ ۷۰۵ جلد دوم،

اس نے یہان لب دریا ایک مدرسہ مع مسجد بنوایا، یہ مدرسہ گذشتہ صدی کے نصف اول تک قائم تھا کچھ دنون ویران رہنے کے بعد اب مدرسہ کی عمارت ایڈن ہاسپٹل مین شامل کرلی گئی ہے، اس وقت صرف کنارِ دریا ایک گھاٹ اور مسجد باقی ہے، مسجد پر کتبہ تھا لیکن آشفتگی سے خراب ہوگیا ہے، تاہم جس قدر حصہ پڑھا جاتا ہے، وہ یہ ہے،

الحمد اللہ رب العٰلمین والعاقبۃ للمتقین اما بعد آنکہ چون این مقام خجستہ فرجام خیر خواہ فقرا امیدوار رحمتِ حق جل وعلا شائستہ خان امیر الامرا احداث نمودہ وقف شرعی کردہ کہ تمام محصول این بصرف تعمیر و وظیفہ خدمت مسجد و مستحقین و متوکلین . . .

. . . حکام ذوی الاقتدار و امرای نامدار این امر خیر مستمر و مستقر دارند کہ درین وقف . . . نماید . . . حق محروم خواہد شد . . . . کردہ . . . . . . مستحقین . . . . . . شد سال . . . ."

حکیم مولوی **حبیب الرحمٰن**[1] صاحب (ڈھاکہ) تحریر فرماتے ہین کہ نواح ڈھاکہ کے مشہور بزرگ "شاہ نوری علیہ الرحمۃ" نے اپنی کتاب "کبریت احمر" مین تحریر فرمایا ہے کہ وہ اپنی ابتدائی عمر مین روزانہ "مغ بازار" سے جو شہر سے تقریباً چار میل دکھن کی طرف مشہور گاؤن ہے، اس مدرسہ مین پڑھنے کے لئے آتے تھے، یہ تقریباً سنہ ۱۱۲۰ھ کا واقعہ ہے، نیز حکیم صاحب موصوف کا بیان ہے کہ میرے پاس "فتاویٰ خانیہ" کا ایک نسخہ موجود ہے جس کو کسی طالب علم نے سنہ ۱۱۴۳ھ مین اسی مدرسہ مین بیٹھکر نقل کیا تھا،

شائستہ خان کے نا مکمل قلعہ سے کوئی دو فرلانگ پچھم ایک عظیم الشان مسجد ہے،

---

[1] جناب حکیم صاحب کا ممنون ہون کہ آپ نے مدارس ڈھاکہ کی نقل کتبات بھیجکر میری مدد فرمائی ہے۔

جو خان محمد میردہ کی مسجد کہلاتی ہے، یہ عمارت دومنزلہ ہے، نیچے کے کمرے طلبہ کے لئے دارالاقامہ تھے، اور صحن مسجد کے شمالی جانب چارون طرف کھلے ہوئے وسیع اور ہوادار کمرے مدرسہ کے نام سے ابتک موجود و مشہور ہین، مسجد مین حسب ذیل کتبہ منقوش ہے،

بعہدِ شاہ اہلِ ہمت وداد — کہ داد انقیادِ شرع ودین داد
زہے شاہے کہ باشد زیب اورنگ — خہے ماہے کہ مہرش گشتہ منقاد
دلِ صدق آشنائے حامی شرع — عباد اللہ قاضی کرد ارشاد
کہ از بہرِ عبادت خان محمد — کند مسجد بصدق خویش بنیاد
بفکرِ سال تاریخش چو رفتم — ندائے ہاتفی از غیب دردا
سرِ کفر از بنائش رفت برباد — ز طاعت خانہ اش تاریخ ایجاد
۱۱۱۶ھ

اورنگ زیب عالمگیر کے بیٹے محمد اعظم کے نام پر ڈھاکہ مین ایک محلہ اعظم پورہ آباد ہے، اس محلہ کے میدان مین ایک دومنزلہ مسجد ہے، اس مسجد کے بالائی حصہ مین شمالی جانب چند نہایت ہوادار اور وسیع کمرے مدرسہ کے نام سے ابتک زبان زد عام ہین، کتبہ سے ایسا مفہوم ہوتا ہے کہ یہ مدرسہ تصوف و علوم باطن کی مشق گاہ تھا، ممکن ہے کہ بعد کو علوم باطن کی جگہ علوم ظاہر نے لے لی ہو، اور اسی دن سے اس کا نام مدرسہ مشہور ہوگیا ہو، کتبہ کی عبارت منظوم یہ ہے،

عارف حق شناس فیض اللہ — ساختہ مسجدے لوجہ الحق
باد بہرِ حصول عین یقین — عابدان را وسیلۂ اوثق

مسکنِ ذاکرانِ صاحبِ شوق | مثلِ قصرِ بہشت پُر رونق
پئے تاریخ آن عبادت گاہ | در دلم ریخت، معنی ایق
انہ مامن کبیت اللہ | سنہ ۱۱۶۰ھ معبد جامع لاھل الحق

مرشد آباد

سیر المتاخرین سے معلوم ہوتا ہے کہ علی وردی خان مرشد آبادی جو علوم و فنون کا شیدائی تھا، اس نے عظیم آباد سے متعدد علماء و فضلا کو مرشد آباد آنے کی دعوت دی اور ان کے لئے گرانقدر وظائف مقرر کئے، جو علما اس کی دعوت پر عظیم آباد سے مرشد آباد گئے، ان مین سے چند کے نام یہ ہین، میر محمد علی حسین خان، علی ابراہیم خان اور حاجی محمد خان، وغیرہ ان لوگون مین اول الذکر ایک بہت بڑے کتب خانہ کے مالک تھے، جس مین دو ہزار مجلدات تھین،

مرشد آباد مین ایک عالی شان مدرسہ کٹرہ مدرسہ کے نام سے مشہور ہے جس کی شاندار عمارت اب تک اپنے گذشتہ عہدِ عظمت کو یاد دلارہی ہے، اس مدرسہ کا بانی جعفر خان تھا،

نرندرا ناتھ لا کی کتاب[1] کے صفحہ ۱۱۳ سے معلوم ہوتا ہے کہ بنگال کے ایک مقام سیلا پور نامی مین اٹھارہوین صدی عیسوی کے آخر تک چند تعلیمی مقامات باقی رہگئے تھے، جن کو ہندوستان کے عہدِ ماضی کی علمی یادگار سمجھنا چاہئے، ان مدرسون مین ہندو اور (ہندو)

[1] کتاب نرندرا ناتھ لا،

مسلمان دونون عربی اور فارسی علوم وفنون کی تعلیم حاصل کرتے تھے،

گو موجودہ زمانہ مین مسلمانانِ بنگال تعلیمی حیثیت سے کوئی اہمیت نہین رکھتے لیکن انکا عہد ماضی یقیناً اس حیثیت سے بہت شاندار ہے، مذکورۂ بالا مدارس حکومت وامرائے حکومت کے قائم کیے ہوئے تھے، لیکن وہان کے عام اشخاص وزمیندار بھی اپنے صوبہ کی تعلیمی ترقی مین بہت کچھ دلچسپی اور حصہ لیتے تھے، چنانچہ اسٹوارٹ اپنی تاریخِ بنگال مین لکھتا ہے کہ بیربھوم کے ایک بڑے زمیندار اسداللہ نامی نے علوم وطلبہ وعلماء کی خدمت واعانت کیلئے اپنی نصف جائداد وقف کردی،

بوہار

علاقہ بردوان کے ایک گاؤن بوہار کے زمیندار اعظم منشی صدرالدین کی درخواست واصرار پر مولانا بحرالعلوم مرحوم وہان تشریف لے گئے، اور منشی صدرالدین نے خاص بوہار مین ایک مدرسہ مولانا ممدوح کے لیے قائم کیا، جس مین ایک عرصہ تک مولٰنا مشغولِ درس وتدریس رہے[1]، غالباً یہ مدرسہ ۱۱۷۸ھ کے بعد قائم ہوا ہوگا، صحیح تاریخ بنا نہین معلوم ہوسکی، مولانا کی تنخواہ چارسو روپئے کے علاوہ سو شاگردون کا وظیفہ منشی صدرالدین نے مقرر کیا،

یہان مولانا کے مشہور شاگردون مین ایک شخص سید غلام مصطفٰے بردوانی پیدا ہوئے جو کچھ دنون کے لئے ضلع اٹاوہ کے مفتی رہے، اور اس کے بعد اپنے حوالی وطن مین ضلع بیربھوم کے مفتی مقرر ہوئے، یہ فارسی شاعری کا بھی اچھا ذوق[2] رکھتے تھے، اُن کے

---

[1] اغصان اربعہ، [2] تذکرۂ صبح گلشن،

دو شعر یہ ہین،

دی کہ نہال قامتش جلوہ گر از نظر گذشت
دل ز شکیب باز ماند جان ز قرار در گذشت

عشق چہ آفت آورد ہر گز ازان خبر نبود
ہیچ ہپرس سرگذشت برق بلا ز سر گذشت

مدارس دکن

ہندوستان کے جس گوشہ مین مسلمانون کا قدم پہنچا اور اسلامی حکومتین سایہ گستر ہوئین تاریخ شاہد ہے کہ اس کا ذرّہ ذرّہ علمی ترقیون کے آب و تاب سے چمک اٹھا، اب تک مین نے شمالی ہند کے مدارس و مکاتب کے حالات لکھے جس سے ہر شخص پر واضح ہو گیا ہوگا کہ مسلمانون نے اپنے عہد حکومت مین ہندوستان کی تعلیمی ترقی کے لیے کیسی زبردست کوششین کی ہین، اب مین جنوبی ہند کی طرف متوجہ ہوتا ہون، اور وہان کی تعلیمی ترقیون کے متعلق جو کچھ بھی تاریخی معلومات فراہم ہو سکے ان کو پیش کرتا ہون،

بدر

یہ مدرسہ نہ صرف دکن کی عمارات و آثار قدیمہ بلکہ ہندوستان کی علمی تاریخ مین ہمیشہ عظمت کے ساتھ یاد کیا گیا ہے، اس مدرسہ کا بانی محمد شاہ بہمنی کا مشہور علم پرور وزیر خواجہ جہان محمود گاوان ہے، مدرسہ کی عمارت اب تک قائم ہے اور سیاحان عالم کے لئے مایۂ عبرت ہے، گو اس کے بعض حصے منہدم و شکستہ ہین لیکن اس کی شان و شوکت وسعت و استحکام کی پوری ہیئت آج بھی دیکھنے والے کو بیک نظر معلوم ہو جاتی ہی، یہ مدرسہ فراز کوہ پر قائم کیا گیا تھا، عمارت کا طول شرقاً و غرباً (۲۰۵) اور عرض شمالاً و جنوباً (۱۸۰)

گز ہے، مدرسہ کے سامنے دو بلند مینارے تھے جن مین سے ایک مینار ابھی تک موجود ہے اسکی بلندی سو فٹ کی ہے، صحن مدرسہ مین مسجد تھی، اور ہر چہار طرف مسلسل وسیع حجرے طلبہ و علماء کی اقامت کے لئے بنے ہوئے تھے، جو طلبہ مدرسے مین رہتے تھے اُن کے مصارف قیام و طعام وقف سے دیے جاتے تھے، مدرسہ کے لئے دور سے نلون کے ذریعہ سے آب رسانی کا سامان کیا گیا تھا، الغرض تمام ہندوستان مین اس سے زیادہ عظیم الشان اور وسیع سلسلۂ عمارت درسگاہ کے لئے کبھی اور کسی دور مین نہین بنا،

محمود گاوان کے علمی ذوق کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ اس کی وفات کے بعد اس کے مکان سے بروایت حدیقۃ الاقالیم مصنفہ میر تقی حسن پینتیس ۳۵ ہزار کتابین مختلف علوم و فنون کی نکلین، مدرسہ بدر کی تاریخ بنا اس عہد کے ایک شاعر سامعی نے آیت ربنا تقبل منا سے نکالی اور اس کو اس طرح ایک رباعی مین جگہ دی ہے،

این مدرسۂ رفیع محمود بنا	چون کعبہ شدہ است قبلۂ اہل صفا
آثار قبول بین کہ شد تاریخش	از آیت ربنا تقبل منا

گلبرگہ

احمد شاہ بہمنی نے اپنے پیر سید محمود گیسو دراز کے لیے گلبرگہ کے مضافات مین کسی مقام پر ایک مدرسہ قائم کیا صحیح طور پر مقام کی تعیین نہین ملی نرندر ناتھ لا نے اپنی کتاب مین اس مدرسہ کا تذکرہ کیا ہے اور سنہ بنا ۱۴۲۲ء لکھا ہے، چونکہ احمد شاہ بہمنی پیر مذکور رحمۃ اللہ علیہ کا مرید تھا اس لیے روایت کا صحیح و درست ہونا ممکن ہے مگر یہ ضرور ہے کہ یہ

مدرسہ خانقاہی مدرسون کے انداز پر ہوگا،

گولکنڈہ

مصنف آثارخیر بحوالہ تاریخ ہند شمس العلماء مولوی ذکا اللہ لکھتا ہے کہ ابراہیم قطب شاہ والیِ گولکنڈہ نے اپنے دارالخلافت مین کئی مدرسے تعمیر کرائے تھے،

چہارمینار (حیدرآباد)

محمد قلی قطب شاہ گولکنڈہ نے خاص حیدرآباد مین متعدد مدرسے قائم کئے تاریخ عزیزودکن سے معلوم ہوتا ہے کہ چہارمینار کا سالِ بنا ۹۹۸ھ ہے، اس مین ایک بہت بڑا مدرسہ تھا، تھیوی ناٹ سیاح نے اپنے سفرنامہ مین اس کے حالات لکھے ہین، اور اس کی بڑی تعریف کی ہے،

قطب شاہ علوم وفنون کا مربی اور اشاعتِ تعلیم کا بہت بڑا حامی تھا، تاریخون سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے اپنے حدودِ مملکت مین بکثرت مدارس قائم کیے، ایک یورپین مصنف شائرل اپنی کتاب مین لکھتا ہے کہ

اس نے جنوبی ہند مین ابتدائی مدارس بکثرت قائم کئے، لڑکے ان مدارس مین "بنچون پر بیٹھتے ہین، اور نرکل سے چینی کاغذ پر لکھتے ہین، جو بہت چکنے مگر صفائی مین یورپین کاغذ سے کم رتبہ ہوتے ہین،"

مدارس یتامیٰ

محمود شاہ جو خاندان بہمنیہ کا مشہور ومعروف فرمانروا گذرا ہے، اس نے اپنے حدود

مملکت مین یتامیٰ کے لیے بکثرت مدرسے قائم کیے، تعلیم کے لیے مشہور مدرسین کو جمع کیا، تمام اخراجات تعلیم شاہی خزانے سے ملتے تھے، یہ بہت بڑا شایق علوم اور عالم دوست بادشاہ گذرا ہے، وہ خود بھی بڑا لائق وفاضل اور فلسفہ وحکمت مین ماہر تھا، اسی بنا پر رعایا نے اُس کو "ارسطو" کا لقب دیا تھا، چھوٹے مقامات کو چھوڑ کر اس کی مملکت کے بڑے مقامات جہان مدارس یتامیٰ قائم تھے یہ ہین،

گلبرگہ، بدر، قندہار، ایچ پور، دولت آباد، چاوَل، واہل، جنیر،

اس کی نسبت فرشتہ لکھتا ہے،

وجہت محدثان اخبار حضرت نبوی صلعم درشہرہاے کلان وظائف مقرر کردہ در تعظیم ایشان میکوشید، ونابینایان را مشاہرہ دادہ تفقدِ حالِ ایشان می کرد،"

بیجاپور

تاریخ دکن سے معلوم ہوتا ہے کہ محمد عادل شاہ کے زمانہ مین آثار شریف اور جامع مسجد بیجاپور مین دو دو مدرسے عربی ایک فارسی اور کئی مکتب تعلیم قرآن کے لئے جاری تھے، یہان غریب طلبہ کو کھانا اور جیب خرچ کے لئے ماہوار فی کس ایک ایک ہون ملتا تھا، اختتام سال پر ذی الحجہ کے مہینہ مین امتحان ہوتا تھا، امتحان کے بعد انعامات تقسیم ہوتے تھے، اور فارغ التحصیل طلبہ کو حسب قابلیت واستعداد سرکاری نوکریان ملتی تھین،

ان کے علاوہ تمام ممالکِ محروسہ کی بڑی مسجدون مین مدرسے قائم تھے، جن مین طلبہ کے اخراجات کی کفالت حکومت کی طرف سے کیجاتی تھی، (آثار خیر)

احمد نگر

برہان نظام شاہ نے شیعی مذہب قبول کیا، اور ترویج شیعیت کے لئے مختلف طریقے اختیار کیے منجملہ ان کے ایک مدرسہ اثنا عشری کا قیام بھی ہے، جس کی عمارت اس نے خاص قلعۂ احمد نگر کے مقابل بنوائی تھی، اس کے قریب ایک لنگر خانہ بنام لنگر دوازدہ امام قائم کیا، اور اس مدرسہ و لنگر خانہ کے مصارف کے لیے متعدد گاؤن جونپور سنور، اسیاپور وغیرہ وقف کئے،

مصنف آثار خیر کا بیان[1] ہی کہ نظام شاہ نے احمد نگر مین ایک اور مدرسہ بغدادنامی قائم کیا تھا

برہان پور

دریاے تاپتی کے ساحل پر ایک مدرسہ واقع تھا، سلاطین خاندیس مین سے کوئی سلطان اس مدرسہ کا بانی ہوا ہے، نام کی تصریح نہین مل سکی اور نیٹیل انویل کے مصنف نے ۱۸۲۰ء مین اس مدرسہ کے آثار کو دیکھا تھا اور اس کا تذکرہ بہت شاندار الفاظ مین کیا ہی،

دولت آباد

یہ مدرسہ بھی سلاطین خاندیس مین سے کسی کی علمی و تعلیمی دلچسپیون کا نتیجہ ہی، افسوس ہے کہ اس کے علم پرور بانی کے نام کی تصریح مجھکو نہ مل سکی، شیخ ضیاء الدین اور شیخ برہان الدین اس مدرسہ کے مدرسین تھے،

[1] مصنف نے یہاں ساتھ ساتھ اس مسجد کا بھی ذکر کیا ہی جو شاہ حسین نظام شاہ کے عہد مین عمارت بغداد کے متصل قاضی بیگ طہرانی کے زیر اہتمام تیار ہوئی، حاشیہ پر حوالہ فرشتہ کا دیا ہی بے شبہ فرشتہ میں بغداد نامی عمارت واقعہ قلعہ احمد نگر کا ذکر کیا ہی، لیکن مجھے اس کی تصریح نہیں ملی کہ اس میں مدرسہ بھی تھا،

مدرسہ مدراس

نواب والاجاہ (مدراس) نے مولانا بحر العلوم کی شہرت سن کر ان کو اپنے ہاں بلوایا، علم پرستی کا جذبہ دیکھئے کہ جب مولانا مدراس کے قریب پہنچے تو نواب نے اپنے ارکان خاندان اعیانِ دولت اور وزراء وامراء کو استقبال کے لئے بھیجا، مولانا جب دربار مین پہونچے تو خود تخت سے اتر پڑا اور مولانا کو اس پر جگہ دی،

والاجاہ نے محل شاہی سے متصل ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کرکے مولانا کو صدر مدرس مقرر کیا، جس مین مدت تک مولانا مشغول تعلیم وتدریس رہے، شمالی ہند مولانا کو بحر العلوم کے لقب سے جانتا ہے مگر جنوبی ہند بالخصوص علاقہ مدراس صرف اس لقب سے پہچانتا ہے جو والاجاہ نے دیا تھا یعنی ملک العلماء،

مدارس مالوہ

نوین صدی کے آغاز مین دلاور خان نامی ایک امیر نے مالوہ مین ایک مستقل سلطنت قائم کی، شادی آباد منڈو کو اس نے اپنا دار الحکومت قرار دیا، سلاطین مالوہ کی علم پروری کے زیر سایہ یہ شہر علم کا مرکز بن گیا، اس کی خاک سے متعدد اساطین علم اٹھے، خاقانی کا مشہور شارح محمد داؤد علی شادی آبادی اسی کی خاک سے پیدا ہوا، اس سلسلہ کے دوسرے فرمانروا سلطان ہوشنگ کی وفات کے تذکرہ مین جو ۸۳۸ھ مین واقع ہوئی، فرشتہ لکھتا ہے،

نعش سلطان ہوشنگ را برداشتہ متوجہ مدرسۂ شادی آباد منڈو شدند ۔ ۔ ۔ ۔

وانجا بخاک سپردند،،

ہوشنگ کے بعد محمد شاہ تقریبًا ایک سال حکومت کر کے مر گیا، اس کے بعد سلطان محمود خلجی مسند آرا ہوا، یہ فرمانروا بہترین مدبر و ناظمِ حکومت ہونے کے علاوہ علوم و فنون کا شائق، تعلیم کا دلدادہ، علماء و فضلاء کا پرستار، اور طلبائے علوم کا ملجاء و ماویٰ تھا، یہ ۸۳۹ھ مین سریر آرائے حکومت ہوا، اس نے اپنے حدودِ حکومت مین بکثرت مدارس و مکاتب قائم کئے، علماء و فضلاء کو ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جمع کیا، اور ان کی ہر طرح ہمت افزائی کی، جس سے اس ملک مین علم و فن کی یہ گرم بازاری ہوئی کہ ملک مالوہ یونان ثانی کہلانے لگا، مصنف مآثر رحیمی لکھتا ہے،

چون سلطنت با وقرار گرفت در تربیت علما و فضلا کوشید و مدارس ساختہ زر باطراف و اکناف عالم فرستادہ مستعدان را طلب داشت و بالجملہ بلاد مالوہ در زمان او یونان ثانی گشت

(صفحہ ۱۲۵ جلد ا ذکر محمود خلجی)

فرشتہ کی عبارت یہ ہے،

وچون سلطنت با وقرار گرفت ہمت بر تربیت علماء و فضلاء گماشتہ، ہر جا از ارباب کمال کسے را می شنید زر فرستادہ اورا طلب می نمود، در ولایت خود مدرسہ ہا ساختہ علما و فضلا و طلاب را وظیفہا مقرر کردہ بافادۂ و استفادہ مشغول گردانید، و بالجملہ بلاد مالوہ من جمیع الوجوہ در ایام ولایت او محسود شیراز و سمرقند بود،

شادی آباد منڈو کے کھنڈر آج بھی زبانِ حال سے اپنے عہدِ ماضی کے قصے،

سنا رہے ہین،

سلطان محمود نے جب ۸۶۱ھ مین چتور کی طرف لشکر آرائی کی ہے تو ان اطراف مین بکثرت مدارس و مساجد قائم کئے ہین، مآثر رحیمی مین لکھا ہے،

وبجانب چتور نہضت نمودند و از آب ہم عبور نمودہ بتخانہائے آں ولایت را خراب نمودہ مساجد و مدارس ساخت (جلد ا صفحہ ۱۳۲)

اسی سنہ مین اس مہم سے واپس آکر خاص پائگاہ دولت مالوہ، شادی آباد (منڈو) مین سلطان محمود نے جامع مسجد ہوشنگ شاہی کے مقابل ایک بہت عظیم الشان مدرسہ کی بنیاد ڈالی، مصنف مآثر رحیمی ان الفاظ مین تذکرہ کرتا ہے،

"وسلطان محمود بشادی آباد آمد در ذی الحجہ سال مذکور مدرسہ و منارہ، ہفت منظر در محاذی مسجد جامع ہوشنگشاہی طرح نمود" (صفحہ ۱۳۳)

سارنگ پور

محمود خلجی کا بنوایا ہوا ایک مدرسہ سارنگ پور مین بھی تھا، اس کی شکستہ عمارت کے آثار اب تک باقی ہین، کتبہ بھی تھا، جس کا پتھر ٹوٹ گیا، اور بیچ کی عبارت تلف ہو گئی، جس قدر باقی ہے وہ یہ ہے،

بناء ھذا المدرسۃ فی عھد السلطان الاعظم معین الدنیا والدین محمود شاہ الخلجی خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ فی عمل ملک مدا ریخان، الثانی والعشرین من شھر ربیع الاول سنۃ سبع وتسعین وثمان مائۃ (آثار خیر)

اسی محمود خلجی کے بیٹے سلطان غیاث الدین کو عورتون کی تعلیم سے بڑی دلچسپی تھی،

اس نے دربار عام کی طرح اپنے محلسرا مین بھی ایک شاہی دربار قائم کیا تھا جس مین عورتین ان تمام مناصب کے فرائض انجام دیتی تھین جو مرد انجام دیتے ہین، جیسے امیر الامرائی، وزارت، وکالت، سرجامہ داری اور خزانہ داری وغیرہ لیکن ان چیزون کو چھوڑ کر خاص طور پر قابلِ تذکرہ چیزین یہ ہین، جن کا بیان فرشتہ ان الفاظ مین کرتا ہے،

وہمچنین کنیزان را صناعت وہنرہا کہ درجہان شائع ومتعارف است بیاموخت، چنانچہ بعضی را رقاصی وخوانندگی وسازندہ ومزمارگی تعلیم فرمود وبعضی را زرگری وآہنگری ونجاری وپانی وتیرگری وکمان گری وکوزہ گری وجامہ بافی وخیاطی وترکش دوزی وکفش دوزی ونجاری وکشتی گیری وشعبدہ بازی واقسام ہنرہائے دیگر کہ شرح آن موجب تطویل است یاد داد"

اسی طرح اس نے عورتون کی ایک فوج بھی مرتب کی اور اُن کو فن سپہگری کی ضروری تعلیم دی، فرشتہ لکھتا ہے، کہ

پانصد کنیز ترک را لباس مردان پوشانیدہ تیراندازی ونیزہ داری بیاموخت وایشان را سپاہ ترک نامیدہ درمیمنہ خود جاے داد تا تیرہا در دست گرفتہ ترکش برمیان بستہ بایستند وپانصد کنیز حبشی را از لباس زنان برآوردہ تفنگ اندازی وشمشیر بازی تعلیم کردہ میسرہ بایشان حوالہ نمود،"

غرض اس طرح عورتون کی تعلیم وتربیت کے لئے اس نے اتنے سامان بہم پہنچائے اور اتنی عورتین جمع کین ایک اچھا خاصہ عورتون کا شہر ہی آباد ہو گیا، اس کے محلسرا مین بہت سی عورتین حافظاتِ قرآن تھین بعض کتابون مین ان کی تعداد ستر ہے لیکن فرشتہ ایکہزار لکھتا ہے،

وہزار کنیزک حافظِ قرآن مجید درحرم داشت بایشان فرمودہ کہ ہنگام تغیر لباس باتفاق
قرآن مجید ختم کردہ بر وی دمیدہ باشند،

لیکن یہ جو کچھ تھا اس کا محرک انسانیت کی شریکِ کار جنسِ لطیف کی تعلیم و تربیت کا خیال تھا، کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ اگر یہ طبقہ جاہل اور معطل رکھا جائے تو انسانی ترقی کسی طرح تکمیل کو نہیں پہنچ سکتی، ورنہ سلطان اپنی سیرت و اخلاق کے لحاظ سے ایک شب زندہ دار زاہدِ خشک اور خدا ترس بادشاہ تھا، فرشتہ لکھتا ہے،

"چون یک پاس از شب ماندے کمر بر بندگی جہان آفرین بستہ بادلے لوازمِ عبادت پرداختے وجبینِ عجز و انکسار برزمین نیاز سودہ مطالب و مآربِ خود از درگاہِ احدیت دریوزہ کردے و باہل حرم نیز مبالغہ فرمودہ بود کہ جہت نماز تہجد اورا بیدار می کردہ باشند وعندالاحتیاج آب بر روے اومی پاشیدہ باشند واگر درخواب گران باشد بزور بجنبانند، واگربان ہم بیدار نشود دستش گرفتہ برخیزانند ونیز بانزدیکان فرمودہ بود کہ در وقت عشرت و مشغولی بسخنانِ دنیا ہرچہ کہ اسم کفن بروبنہادہ بودند بنظرش می آوردند تا متنبہ شدہ عبرت گرفتہ از مجلس برمی خواست، وتجدید وضو کردہ باستغفار و توبہ و انابت می پرداخت و در مجلسِ او اصلا نامشروع و انچہ غم آور دنی گفتند و مسکرات ہرگز رغبت نمی نمود،

غور کرو اس طرزِ زندگی کا انسان کس درجہ زاہد مزاج اور خدا ترس ہوگا، آج ان اخلاق کا مجموعہ انسان بادشاہوں میں تو کیا گداؤں میں بھی ہزار دو ہزار میں ایک آدھ ہی مل سکتا ہے،

ظفر آباد

سلطان غیاث الدین خلجی نے ایک مدرسہ ظفر آباد نعلچہ مین تعمیر کرایا تھا، جو سلطان محمود ثانی کے عہدِ حکومت تک قائم تھا، (آثار خیر)

صوبہ مالوہ کی اسلامی تعلیمی یادگارون مین اجین کا مدرسہ بھی قابلِ ذکر ہے، جس کے بانی کی تصریح نہین مل سکی، اس مدرسہ کی شکستہ عمارت گذشتہ صدی تک باقی تھی مصنف تزک[1] افغانی اس کی نسبت لکھتا ہے کہ

"یہان ایک مدرسہ عالیشان بادشاہی تھا، اس کے حجرات جواب تک باقی ہیں، ان مین راقم نے بیل بندھے ہوئے دیکھے اور مدرسہ سے ملحق مسجد مین گھاس بھری ہوئی پائی" (آثار خیر)

مدارس ملتان واچہ

مدرسہ فیروزی

اچہ مین اس نام کا ایک مدرسہ تھا، یہ معلوم نہین کہ اس کا بانی کون تھا اور یہ کب قائم ہوا! اتنا معلوم ہے کہ ناصر الدین قباچہ کے عہد مین یعنی چھٹی صدی مین یہ مدرسہ موجود تھا چنانچہ مصنف طبقات ناصری لکھتا ہے کہ اس مدرسہ کا انتظام و انصرام ناصر الدین نے سنہ ۶۲۴ھ مین میرے سپرد کیا، اس کے الفاظ یہ ہین،

ودرین سال (یعنی اربع وعشرین وستماتہ) درماہ ذی الحجہ مدرسہ فیروزی اچہ حوالہ این داعی شد، (صفحہ ۱۲۴ مطبوعہ ایشیاٹک سوسائٹی کلکتہ)

---

[1] سنہ ۱۲۹۰ھ کی تالیف ہے،

اسی ناصر الدین قباچہ نے جو ایک طویل مدت تک قطب الدین ایبک کی طرف سے مملکت ملتان و اچہ کا والی رہا، اپنے ایام حکومت مین جب مولنا قطب الدین کاشانی وارد ملتان ہوے تو ایک مدرسہ قائم کیا جس مین مدتون تک مولانا مشغول تعلیم و تدریس رہے، فرشتہ لکھتا ہے،

"چون مولانا قطب الدین کاشانی از ماوراء النہر بملتان رسیدہ شاہ ناصر الدین قباچہ والی ملتان سرا بامدرسہ برای او بنا نمود، و مولانا کہ علامۂ روزگار بود بامداد دران مدرسہ نماز گزاردہ بدرس گفتن بہ پرداخت" (فرشتہ ذکر شیخ بہاء الدین زکریا ملتانی)

سلاطین ملتان مین سے حسین شاہ لنگا علوم و فنون کا بہت بڑا مربی گذرا ہے، مصنفین وارباب فضل و کمال کا سرپرست و مددگار تھا، ہمیشہ مالی اعانت اور مناصب و وظائف سے اُن کی ہمت افزائی و قدر کیا کرتا تھا جس کے باعث اس کے حدود حکومت مین فضلا، وارباب علم و فن کی بڑی کثرت و جمعیت ہو گئی تھی اور ملتان علمی حیثیت سے اپنے گرد و پیش کی حکومتون مین ممتاز تھا، شاہ حسین لنگا نے متعدد مدرسے قائم کئے جن مین ممتاز و مشہور اساتذۂ وقت مشغول درس و تعلیم رہتے تھے،

یہ واقعہ خاص طور پر قابل تذکرہ ہے کہ اس نے اپنا ایک معتمد خاص گجرات اس لیے بھیجا تھا کہ وہان کی عمارتون کی نسبت تفصیلی اطلاع بہم پہنچائے، جب اس معتمد نے یہ اطلاع دی کہ شاہ حسین باایں ہمہ دولت گجرات جیسی عمارتین نہین بنوا سکتا تو اس سے بادشاہ بہت رنجیدہ ہوا، لیکن وزیر سلطنت نے یہ کہہ کر تسلی دی کہ اگر گجرات کو اپنی عمارتون پر

ناز ہے تو ملتان کو اپنے علم و فن پر فخر ہے، فرشتہ لکھتا ہے،

چوں قاضی از گجرات بملتان آمدہ بعد از ادائے رسالت خواست کہ شمہ از خوبہائے منازل شاہانِ گجرات معروض دارد پس گفت کہ زبان در بیانِ توصیفِ آن عمارات لال است، لیکن گستاخی نمودہ بعرض می رسانم کہ اگر محصول یکسالہ تمام مملکت ملتان تبعمیر مثل قصرے ازاں قصور خرچ شود معلوم نیست کہ باتمام رسد، سلطان از شنیدن این سخن مغموم و محزون گشت، عماد الملک تولک کہ شغل وزارت باو تفویض بود قدم جرات پیش نہادہ معروض داشت کہ بقاے ملک تا قیامت مقرون باد، سبب حزن معلوم نیست، گفت باعث حزن این است کہ لفظ شاہی برمن اطلاق نمودہ اند و از معنی شاہی محرومم، و باوجود آں حشر من روز قیامت بہ بادشاہاں خواہد بود، عماد الملک تولک گفت، خاطر شاہ ازیں رہگذر مکدر و ملول نباشد زیرا کہ حق سبحانہ تعالیٰ ہر مملکتے را بفضیلتے مخصوص ساختہ کہ آں در مملکت دیگر عزیز و محترم است، مملکت گجرات و دکن و مالوہ و بنگالہ اگرچہ زر خیز است و اسباب تنعم آنجا بروجہ احسن میشود و اما مملکت ملتان مردم خیز است چہ بزرگان ملتان ہر جا کہ رفتند معزز و محترم گشتند والحمد للہ والمنہ کہ از طبقہ علیہ شیخ الاسلام شیخ بہاؤ الدین زکریا قدس اللہ سرہ چند کس در ملتان حاضر اند و از طبقہ علما مثل مولنا فتح اللہ شاگرد مولنا عزیز اللہ از خاک پاک ملتان مخلوق شدہ اند کہ اگر ہندوستان بوجود ایں عزیزان افتخار کند (جلد دوم ذکر سلطان حسین لنگا)

مدارس کشمیر

سلطان سکندر جس کا سالِ وفات ۸۱۹ھ ہے، کشمیر کا وہ علم پرور بادشاہ گذرا ہے جس کے

زمانہ مین ملک کشمیر علمی شان وشکوہ مین عراق وخراسان کا ہمسر بن گیا تھا، بادشاہ کی علمی قدردانی وفیاضی نے اطراف واکنافِ عالم کے علماء کو اپنی طرف متوجہ کرلیا تھا، جس کا لازمی نتیجہ کشمیر کی تعلیمی وعلمی ترقی تھا، افسوس ہے کہ کوئی مفصل تاریخ پیش نظر نہین، جس سے تفصیلات حاصل کیجاسکین، البتہ فرشتہ نے اجمالاً یہ لکھا ہے اور شہادت کے لئے اتنا بھی کافی ہے،

وسلطان سکندر بمرتبۂ سخاوت داشت کہ از شنیدنِ آوازۂ آن دانشمندانِ عراق وخراسان وماوراء النہر بلا زمتش آمدند وعلم وفضل واسلام در مملکت کشمیر رواج تمام پیدا کردہ نمونۂ عراق وخراسان گردید،

شاہ ازجملہ علما، سید محمد نام عالمے را کہ سرآمدِ روزگار بود بسیار تعظیم می نمود وآدابِ دین ازوے می آموخت" (صفحہ ۴۱۳ جلد دوم ذکر سکندر)

سلطان زین العابدین جو ۸۲۶ھ مین تخت نشینِ حکومت ہوا، اس نے اپنے حسن تدبیر ومساعیِ جمیلہ سے سارے ملک کو ہر طرح کی دولت ترقی سے مالامال کردیا، کشمیر مین حکومت کی طرف سے تاریخ نویسی کا ایک محکمہ قائم تھا، چنانچہ سلطان زین العابدین کے زمانہ مین ایک ہندو مصنف کے قلم سے کشمیر کی مفصل تاریخ راج ترنگنی اسی محکمہ کے زیر اہتمام مرتب ہوئی، سلطان زین العابدین نے ایک محکمہ تراجم کا بھی قائم کیا تھا، چنانچہ آئینِ اکبری مین لکھا ہے، کہ

سلطان (زین العابدین) دانش منش وخرد پژوہ بود . . . . . . وفراوان نامہ را از عربی وکشمیری وہندی ترجمہ کرد" (صفحہ ۱۸۵ جلد دوم)

گو مدارس کی نسبت کچھ تفصیلی معلومات نہین مل سکے، تاہم یہ کیونکر ہو سکتا ہے کہ ایسا عالی دماغ بادشاہ اشاعتِ تعلیم جیسی ضروری شے کو نظر انداز کر گیا ہو اور اس کے لیے اس نے کوئی کوشش نہ کی ہو،

حسین چک شاہ کشمیر نے ۹۷۰ھ یا ۹۷۱ھ مین ایک بہت بڑا مدرسہ قائم کیا اور بڑے بڑے علماء وفضلاء کو جمع کر کے اشاعتِ علوم وفنون کی بڑی کوشش کی، یہ علم پرور بادشاہ اپنا زیادہ وقت علماء وصلحاء کی خدمت مین گذارتا تھا، جو مدرسہ اس نے قائم کیا اس کے مصارف اور علماء کی اعانت کے لئے ایک پرگنہ زین پور نامی متعین کر دیا، فرشتہ لکھتا ہے،

وحسین چک مدرسہ بنا نمودہ با علماء وصلحاء آنجا صحبت می داشت و پرگنہ زین پور را بجاگیر این طائفہ مقرر کرد" (جلد دوم ذکر حسین شاہ کشمیر)

اکبری عہدِ حکومت مین شہنشاہ اکبر کی طرف سے حسین خان والی کشمیر مقرر ہوا، حسین خان علوم وفنون کا مربی وسرپرست تھا، اُس نے وہان متعدد مدرسے قائم کئے، اچھے اچھے اساتذۂ فن کو جمع کیا اور علماء اور طلبہ کے لیے ایک پرگنہ اسیاپور وقف کیا، (مآثر رحیمی)

مدارس گجرات

اسلامی عہدِ حکومت مین گجرات کی علمی وتعلیمی ترقیان بھی مخصوص حیثیت رکھتی ہین" یہان مدارس اور تعلیم گاہین بکثرت تھین، اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ یہان کے فرمانروا اکثر علم دوست وعلم پرور گذرے،

سلاطینِ گجرات مین سلطان محمود بیگڈہ سے بڑا کوئی دوسرا بادشاہ نہین گذرا،

سنہ ۸۶۳ھ سے سنہ ۹۱۷ھ تک اس نے حکومت کی، اس کا دربار علما و فضلا سے بھرا رہتا تھا،

بڑی بڑی عمارتین اس کے عہد مین تعمیر ہوئین، منجملہ اُن کے مدارس بھی تھے، تاریخ مرأت

احمدی کا مصنف لکھتا ہی، کہ اس بادشاہ نے مسافرون کے آرام کے لیے سرائین طالبعلمون

کے لئے مدرسے اور مسلمانون کے لئے مسجدین تعمیر کرائین،

مدرسہ سیف خان

مرأۃ احمدی کا مصنّف لکھتا ہے کہ محمد صفی صوبہ دار گجرات نے جس کا لقب سیف خان

تھا احمد آباد مین قلعۂ ارک کے پھاٹک کے سامنے ایک عظیم الشان و خوش منظر مدرسہ

تعمیر کرایا، مدرسہ کا نام مدرسۃ العلماء تھا، سالِ تعمیر سنہ ۱۰۳۲ھ اس شعر سے نکلتا ہے،

سالِ اتمام ز معمارِ قضا جستم و گفت

مسجد و مدرسہ و دار شفاے آباد

مدرسہ شیخ الاسلام

قاضی اکرم الدین خان المخاطب بہ شیخ الاسلام نے اپنے ذاتی مصارف سے

احمد آباد مین ایک بہت عالیشان مدرسہ بنوایا، جس کی تعمیر مین ایک لاکھ ۲۴ ہزار

روپیے صرف ہوے تھے، تعمیر کا آغاز سنہ ۱۱۰۲ھ اور انجام سنہ ۱۱۱۱ھ مین ہوا، متصل دوکانون

کے علاوہ دو گاؤن بھی وقف تھے، اس مدرسہ کے مشہور مدرس مولانا نورالدین[1]

گجراتی تھے،

[1] مرأۃ محمدی،

مدرسہ سرخیز

سرخیز مین جہان شیخ احمد کھتو کا مزار ہے، ایک بہت بڑا مدرسہ[1] تھا، مزار کی عمارتین محمد شاہ نے تعمیر کی تھین، اور غالباً مدرسہ کی عمارت بھی، محمود شاہ و مظفر شاہ کے عہدِ حکومت مین فقیہ احسن العرب الدابھولی اس مدرسہ کے اساتذہ مین بہت ممتاز درجہ رکھتے تھے،

مدرسہ وجیہ الدین

احمد آباد مین علامہ وجیہ الدین کا مدرسہ[2] سب سے زیادہ مشہور ہے، اس مدرسہ مین طلبہ کو وظائف بھی ملتے تھے، تقریباً ۶۵ سال تک علامۂ ممدوح نے اس مین تعلیم دی اور بعد وفات یہین پیوندِ زمین ہوئے، ان کے بعد اُن کے فرزند رشید مولنا عبد اللہ جانشین ہوئے، صادق خان نام ایک امیر نے مدرسہ کی عمارت از سرِ نو تعمیر کی جس مین طلبہ کے رہنے کے واسطے مکانات بنوائے اور وظائف کا معقول انتظام کیا،

مدرسۂ نہروالہ

شیخ حسام الدین ملتانی کے مزار کے متصل نہروالہ مین ایک مدرسہ[3] تھا جس مین مولنا تاج الدین اور اُن کے فرزند رشید محمد بن تاج درس دیتے تھے، ان بزرگون کا شمار اس زمانہ کے مشہور اساتذہ مین تھا،

مدرسہ تالاب و خان

نہروالہ مین خان سرور نام ایک تالاب بہت ہی خوش منظر سیرگاہ تھا، اس کے

---

[1] یادِ ایام [2] ایضاً [3] ایضاً،

گردو پیش عالیشان عمارتین تھین جنمین ایک مدرسہ[۱] بھی تھا، یہ معلوم نہین اس کا بانی کون تھا اور کس سنہ مین اس کی بنا ہوئی، اس مدرسہ کے اساتذہ مین ایک نام مولانا قاسم بن محمد گجراتی کا ملتا ہے جو قطب الدین احمد شاہ کے زمانہ مین تھے،

مدرسہ عثمان پور

سابرندی کے کنارے ایک گاؤن تھا جس کو اس کے بانی شیخ عثمان متوفی ۸۶۳ھ نے اپنے نام پر آباد کیا تھا، شیخ عثمان نے وہان ایک مدرسہ[۲] بھی قائم کیا، محمد شاہ گجراتی کو شیخ سے بڑی عقیدت تھی، شیخ نے مدرسہ کے لئے اس عقیدت سے مختلف فوائد حاصل کئے جن مین سے یہ قابلِ ذکر ہے کہ طلبہ کی تعلیم کے لئے شاہی کتبخانہ کی تمام کتابین حاصل کر کے وقف کر دین،

مدارسِ سورت

سید محمد بن عبد اللہ العیدروس کے مزار کے پاس حاجی زاہد بیگ نے بزمانہ تولیت شیخ جعفر صادق ۱۱۱۲ھ مین ایک[۳] مدرسہ تعمیر کیا جس مین زمانہ دراز تک علوم و فنون کی تعلیم ہوتی رہی،

سورت مین مرجان شامی کی مسجد ہمیشہ مدرسہ کا کام دیتی رہی، نواب ظفریاب خان نے اپنے زمانہ مین مدرسہ[۴] کے واسطے ایک خاص عمارت تیار کی جس کی تکمیل حاجی میان نواب ممدوح کے پوتے کے وقت مین ہوئی،

---

۱ یاد ایام، ۲ ایضاً، ۳ حقیقۃ السورۃ، ۴ ایضاً،

عالمگیر نے اپنے عہدِ حکومت مین ہندوستان کی ترقی کے لئے طرح طرح کی کوششین کین، مسٹر کین اپنی تاریخ مغل امپائر مین لکھتے ہین کہ

اورنگزیب نے زراعت کو بیحد ترقی دی اور اپنے حدودِ حکومت مین بشمار مدارس و مکاتب قائم کئے

تاریخ مرأت احمدی سے بھی معلوم ہوتا ہے کہ دیوان صوبہ گجرات مکرمت خان کے نام عالمگیر نے ایک فرمان بھیجا جس مین حکم دیا گیا تھا کہ مملکتِ محروسہ کے تمام علاقون مین مدرس مقرر کئے جائین، طالب علمون کو میزان سے لیکر کشاف تک تعلیم دیجائے اور ان کو سرکاری خزانہ سے حسب رائے صدر صوبہ و تصدیق مہر مدرس وظائف دیئے جائین، چنانچہ تین مدرس ایک احمد آباد، دوسرے سورت، اور تیسرے پٹن مین مقرر کئے گئے، اسی کتاب سے ثابت ہوتا ہے، کہ ۱۰۸۷ھ مین قلعہ بھدر (احمد آباد) کے مدرسہ مسجد اور دارالشفا کی مرمت کے لئے روپیہ ادا کیا گیا،

عالمگیر تعلیم عام کا بے حد شائق تھا، چنانچہ اس نے ہر طرف مدارس قائم کرنے کے علاوہ جہان جہان معلمین و علماء تھے اُن کے لئے بکثرت مدد معاش کی رقمین بطور وظائف تعلیمی مقرر کین، چنانچہ مصنف مآثر عالمگیری لکھتا ہے،

و در جمیع بلاد و قصبات این کشور وسیع فضلا و مدرسان را بوظائف لائقہ از روزانہ و املاک موظف ساختہ برائے طلبہ علوم وجوہ معیشت در خور حالت و استعداد مقرر فرمودہ بودند (ص ۵۲۹)

اسی عالمگیر نے گجرات کے بوہرون کی تعلیم کے لیے وہان تعلیم کو لازمی و جبری قرار دیا[۱]

---

[۱] اس سے مراد سنّی بوہرے ہین،

اس کے لئے بہترین اساتذہ مقرر کئے، ماہوار امتحانات کا طریقہ ایجاد کیا جس کے نتائج
کی اطلاع اس کو برابر دیجاتی تھی،

اشاعتِ تعلیم کے دیگر ذرائع،

اب تک مین نے جو کچھ لکھا ہے، اس کو مخصوص ومشہور مدرسون کی ایک تاریخی فہرست سمجھنا چاہیئے، جس مین مدارس کے نام، بانی، مقامات اور دوسرے جزوی امور کی تشریح وتوضیح بھی ضمنی طور پر آگئی ہے، لیکن مسلمان بادشاہون نے ہندوستان مین اشاعتِ تعلیم کے لئے اور جو ذرایع اختیار کئے ان کی نسبت ابھی کچھ لکھنا باقی رہگیا ہے،

اشاعتِ تعلیم کی جو صورتین اختیار کی جاسکتی ہین اُن مین مقدم مدارس کی تاسیس وبنا ہے، یعنی ملک کے ہر چہار جانب مرکزی مقامات مین متعدد مدارس قائم کئے جاین، جہان ملک کا ہر طبقہ اور ہر گروہ تعلیم حاصل کر سکے، اس سلسلہ مین جو کچھ مسلمان بادشاہون نے کارنامے انجام دیے ان کی کسی قدر تفصیل اوپر گذر چکی ہے اور ہر شخص بیک نظر دیکھ سکتا ہے کہ ہندوستان کے ہر صوبہ کے مرکزی اور مشہور مقامات مین مسلمان سلاطین وامرانے مدارس ومکاتب قائم کئے جن مین سے اکثر کے باقیماندہ آثار اب تک اپنی گذشتہ عظمت وشوکت کی یاد تازہ کر رہے ہین،

آج اشاعتِ تعلیم کے جتنے طریقے اختیار کیے جارہے ہین، ان مین بکثرت ابتدائی، ثانوی، متوسط اور اعلیٰ تعلیم کے مدارس ومکاتب کا قیام اور اخراجاتِ تعلیم کی تخفیف وتقلیل مؤثر طریقے سمجھے جارہے ہین لیکن عامۃ الناس کا ان طریقون سے مستفید ہونا اس پر موقوف

ہے کہ اس زمانہ میں وسائلِ سفر سہل ہو گئے ہیں، ہر شخص بآسانی ایک جگہ سے دوسری جگہ ایک سمت سے دوسری سمت بہت قلیل مدت میں آ جا سکتا ہے، بخلاف اس کے قدیم زمانے میں جب کہ وسائلِ سفر محدود اور قلیل تھے تو اس زمانہ میں ترویجِ علوم و اشاعتِ تعلیمِ عامہ کا کیا ذریعہ اختیار کیا جا سکتا تھا، حقیقت یہ ہے کہ اس بارے میں مسلمان بادشاہوں نے جو طریقِ عمل اختیار کیا وہ بے حد قابلِ داد ہے، اور بے ساختہ اُن کے حقیقی مساعیِ جمیلہ و خدمتِ رفاہِ عام کی تحسین و آفرین کرنا پڑتی ہے،

اس مشکل کو حل کرنے کے لئے مسلمان بادشاہوں نے یہ طریقہ اختیار کیا کہ ملک میں جہاں جہاں علما اور معلّمین رہتے تھے ان کے لئے خزانہ شاہی سے وظائف مقرر کر دیئے، جن کے عوض وہ اپنے اپنے مقامات پر فارغ البالی کے ساتھ بغیر کسی معاوضہ و اجرت کے مشغولِ درس و تدریس رہتے تھے، طلبہ و متعلمین کے لئے اوقاف کی مدین عام تھیں جن سے ان کے مصارفِ ذاتی و تعلیمی پورے کئے جاتے تھے، علماء و متعلمین کے ان وظائف کو قدیم تاریخی اصطلاح میں مددِ معاش کہتے تھے، اس طریقہ کے باعث تعلیم مفت اور عام، نیز اس زمانہ کی حالت کے لحاظ سے بہت سہل الحصول ہو گئی تھی،

گذشتہ صفحات پر مدارسِ گجرات کے عنوان میں عالمگیر کا وہ فرمان درج کیا جا چکا ہے جو اس نے مکرمت خان کے نام صادر کیا تھا، جس میں تمام مملکت میں علماء و مدرسین کے تقرر اور طلبہ کے لیے حکومت سے عطاے وظائف کی تصریح موجود ہے، وہ فرمان اس خاص طریقۂ اشاعتِ تعلیم کی جس کو مسلمان فرمانروایان نے اختیار کیا، بیّن دلیل ہے،

اس مدد معاش کی رقم مین ہندو مسلمان کی کچھ تفریق نہ تھی بلکہ دونون قومون کے مذہبی اشخاص کے لئیے یہ رقمین مقرر ہوتی تھین، قدیم زمانے مین مسلمانون کے عالم مذہبی رہنما اور تعلیمی اشخاص تھے، اسی طرح ہندوؤن مین پنڈت، یا گوشائین اُن کے مذہبی رہنما اور معلم یا گرو ہوتے تھے، اس لیے اس سلسلہ مین جتنے وظائف تھے وہ مذہبی خدام و معلمین اور گروون کی اعانت اور عوام الناس کی تعلیمی و مذہبی کفالت کی حیثیت رکھتے تھے، آج تک اس مددِ معاش کے فرامین ہندو مسلمانون کے اکثر خاندانون مین موجود ہین، ان کا جمع و استقصا اس موقع پر ممکن نہین، البتہ ہندوستان کے تاریخ نویس کے لئیے یہ ضروری ہوگا کہ وہ اس قسم کے تمام منتشر موادِ تاریخی کو جمع کرے، تاکہ گذشتہ ہندوستان کی مکمل و جامع تاریخ مرتب ہو سکے،

شخصی تعلیم

اس کے بعد اب چند صاحبِ درس علما، کی فہرست بحوالۂ تاریخ پیش کی جاتی ہے جس سے معلوم ہوگا کہ مسلمانون نے ہندوستان کی علمی و تعلیمی ترقی کے لیے جو کوششین کین، ان مین حکومت اور اشخاص دونون کا حصہ ہے،

حکومت اور امراے حکومت نے جتنی تعلیم گاہین قائم کین اُن مین سے ایک معقول تعداد کی تفصیل جن کا پتہ مین کتبِ تاریخ سے چلا سکا اوپر گذر چکی، تعلیم و مذہبی خدمات کے سلسلہ مین معلمین و خدامِ مذہب کے لیے جو رقمِ اعانت حکومت کی طرف سے ملتی تھی، اجمالی طور پر اس کا حال بھی تم کو معلوم ہو چکا،

اب علما کی ایک مختصر سی حسب ذیل فہرست پر نظر ڈالو جو اپنے اپنے مقام پر علوم و فنون کی ترقی اور افرادِ قوم کی تعلیم و تہذیب پر اپنی زندگی کا بہت بڑا حصّہ صرف کر گئے، اُن مین کچھ تو ایسے علما ہین جن کو حکومت تعلیمی وظائف دیتی تھی، لیکن اکثر وہ لوگ ہین جن کو کسی اعانت کی ضرورت نہ تھی، ہر طرح فارغ البال تھے اور کارِ خیر و حبِ خدمتِ قوم کی بنا پر اپنی زندگی کا معقول حصّہ عام لوگون کی تعلیم و فیض رسانی پر صرف کرتے تھے،

جن علمار کی فہرست پیش کی جا رہی ہے ان مین زیادہ تر ہمعصر اساتذۂ وقت ہین یعنی ان مین سے قریب قریب اکثر کا زمانہ متحد ہے، اس لیئے گویا یہ فہرست ایک ہی عہد کے علمار کی ہے، اب غور کرنا چاہیئے کہ بیک عہد جب اتنے علما اس خدمت کو انجام دیتے تھے تو اس قیاس پر ابتداے عہد اسلامی سے آخر تک کتنی مقدس ہستیان تھین جنھون نے اپنی زندگی ہندوستان کی علمی ترقیون کی نذر کر دی ہوگی،

ایک کو چھوڑ کر یہ تمام تفصیل صرف تاریخ بدایونی سے ماخوذ ہے، جس مین زیادہ تر عہدِ اکبری یا اس کے ماضی قریب کے علما کا تذکرہ ہے، اب غور کرو جب اکبر جیسے بادشاہ کے عہد مین جو درحقیقت تعلیمی دور نہ تھا مدرسین کی اتنی بڑی جمعیت موجود تھی، تو ان بادشاہون کے عہدِ حکومت کا کیا کہنا جن کا عہد درحقیقت ایک تعلیمی و علمی عہد تھا بدایونی لکھتا ہے،

شیخ سعد اللہ بنی اسرائیل، از ارشد تلامذہ شیخ اسحاق کاکو ست درعین نخاس درس می گفت، تصانیف بسیار مفید و عالی نوشتہ از انجملہ شرحے بر جواہر القرآن امام غزالی نوشت،

شیخ عبد اللہ بدایونی نعمت علم از اکثر مقتدیانِ روزگارِ خویش یافت خصوصاً از میان

شیخ لادن دہلوی و میر سید جلال بدایونی کہ بعد از وفات مرحوم قائم مقام او شد سالہا در بدایون درس و افادہ فرمودہ،

میان حاتم سنبھلی، شاگرد میان عزیز اللہ طلبنی درین قرن مثل او من حیث الجامعیۃ عالمے جامع المنقول و المعقول نگذشتہ خصوصًا در کلام و اصول و فقہ و عربیت می گفتند کہ قریب بچہل مرتبہ شرح مفتاح و مطول را از بائے بسم اللہ تا تائے تمت درس گفتہ،

میان جمال خان مفتی دہلی، در علوم عقلیہ و نقلیہ خصوصًا فقہ و کلام و عربیت و تفسیر بے نظیر بود بر شرحین مفتاح محاکمہ کردہ و عضدی را کہ کتاب منتہیانہ است می گویند کہ چہل مرتبہ از اول تا آخر درس گفتہ و ہمیشہ درس گفتے و افادہ علوم دینی فرمودے،

شیخ جلال الدین تھانیسری خلیفہ شیخ عبد القدوس گنگوہی جامع علوم ظاہری و باطنی بود بافاضہ علوم دینیہ و نشر معارف یقینیہ اشتغال داشت،

شیخ عزیز اللہ در علوم ظاہری ہم کامل و مکمل بود و تفسیر عرائس و عوارف و فصوص الحکم و شروحش را بتلامذہ درس گفتے،

شیخ بھیکن کاکوری سالہا بدرس و افادہ خلائق اشتغال داشت، حافظ کلام مجید بہ ہفت قرأت بود و شاطبی را درس می گفت،

شیخ الہدیہ خیرآبادی، از علمائے متبحر بود در ابتدائے احوال سالہا بدرس و افادہ گذرانیدہ و آں قدر مشغولی بہ علوم ظاہری نمود کہ بسیارے دانشمندان صاحب کمال از و وارث ماندہ

شیخ عبد الغفور اعظم پوری (سنبھلی) در اکثر اوقات خویش درس علوم دین فرمودی،

میان وجیہ الدین احمد آبادی، دائم بدرس علوم دینی اشتغال داشت وقدرت بر جمیع علوم عقلی ونقلی بمرتبہ بود کہ کم کتاب درسی از صرف ہوائی تا قانون شفا وشرح مفتاح وعضدی باشد کہ اورا درس نگفتہ،

شیخ اسحاق کاکو لاہوری، اواستاد اکثر علمائے مشہور لاہور است مثل شیخ سعد اللہ و شیخ منور وغیر ایشان در زمان جوانی بشیتر مایل وراغب بشکار بود چنانچہ ہرگاہ از درس فارغ می شد باز وجرہ وامثال آن گرفتہ بصید می رفت،

مصنف مآثر عالمگیری وقایع ۱۱۰۹ھ کے سلسلہ مین لکھتا ہے،

ملا ابوالقاسم بشرط تدریس روضہ والدہ شاہ عالی جاہ یک روپیہ یومیہ داشت،

تاریخ فرشتہ ذکر شاہ حسین ثانی بادشاہ ملتان مین لکھتا ہے کہ ایک اندرونی فتنہ وبغاوت کے موقع پر مولنا سعد اللہ لاہوری اپنے گھر کی حالت بیان کرتے ہین،

چون حصار مسخر لشکر ارغونیہ شد جمعی بخانۂ من درآمدند اولاً پدر مرا کہ مولانا ابراہیم جامع نام داشت وشصت وپنج سال بر مسند افادہ قرار گرفتہ اقسام علوم درس گفتہ بود ودر آخر عمر پارسا شدہ بودہ بہ بند بر وندو از صفائے منازل ونزاہت عمارات گمانی زرداری بروہ شروع در اہانت کردند، (ج دوم صفحہ ۳۳۱)

شیخ نظام الدین قدس سرہ العزیز کے حالات مین فرشتہ لکھتا ہے،

غیاث الدین بلبن کے زمانہ مین خواجہ شمس الدین خوارزمی استاد شیخ رحمۃ اللہ علیہ دہلی آئے، بادشاہ نے شمس الملک کا خطاب دیا اور آخر مین منصب وزارت سے بھی

سرفراز کیا، (ملخصاً)

اس کے بعد لکھتا ہے،

وقبل ازانکہ وزیر شود بدرس اشتغال داشت، پس شیخ اورا دیدہ در سلک تلامذہ اش منتظم گشت و او حجرۂ می داشت کہ خاصہ برائے مطالعہ اش بود و شاگردان صاحب استعداد سہ کس بودند کہ درآں حجرۂ درس می خواندند و باقی شاگرداں را در صفہ درس می گفت، (ج دوم ص ۳۹۱)

ان تفصیلات سے معلوم ہوا ہوگا کہ مسلمانون نے سرکاری وغیر سرکاری طریقہ پر ہندوستان کی علمی و تعلیمی ترقی کے لیے کیسی زبردست کوششین کی ہین،

ہندوستان مین اطراف وجوانب سے علما کی آمد اور اشاعتِ تعلیم

اسلامی فتوحات کا سیلاب جب ہندوستان کی طرف بڑھا تو اس لشکر کے پیچھے پیچھے اربابِ علم و فن کا جمِ غفیر بھی اس ملک مین داخل ہوا جس نے یہان کی زمین کو آسمان تک پہنچا دیا، دہلی جب فتح ہوئی تو ایک طرف دربارِ حکومت سجایا گیا، اور دوسری طرف بزم علم و فن منعقد کیگئی، مسلمان بادشاہون کی علم پرستی و قدردانی کے باعث اطراف واکنافِ عالم کے علما سمٹ سمٹ کر دہلی مین اقامت گزین ہوئے،

غیاث الدین بلبن کے عہد حکومت مین شمس الدین خوارزمی، برہان الدین بلخی، نجم الدین دمشقی، شمس الدین قوشجی، کمال الدین زاہد، اور برہان الدین بزاز جیسے

بیسیوں ارباب فضل جمع تھے، جن کے وجود سے دہلی رشک شیراز و بغداد ہو رہی تھی،

محمد شاہ تغلق کے عہد میں قاضی عبد المقتدر، شیخ احمد تھانیسری، معین الدین عمرانی

اور مولانا خواجگی جیسے اہل فن موجود تھے،

علاؤالدین خلجی کے عہدِ حکومت میں خاص دار السلطنت دہلی کے متعلق ضیاء برنی

اپنی کتاب تاریخ فیروز شاہی میں لکھتا ہے،

کہ چہل و شش علمائے فحول و بے نظیر در دار السلطنت دہلی بودند"

ان علمائے کرام میں سے چند ممتاز ترین و سر برآوردہ اصحاب کے اسمائے گرامی

حسب ذیل ہیں،

مولانا فخر الدین ناقلہ، قاضی شرف الدین سربائی، مولانا نصیر الدین غنی، مولانا تاج الدین

مقدم، مولانا ظہیر الدین لنگ، مولانا علاء الدین صدر الشریعہ، مولانا نظام الدین کلاہی

مولانا کریم الدین جوہر وغیرہم،

سلطان سکندر لودی کے عہدِ حکومت میں دو بڑے عالم جو معقولات کا سرچشمہ

تھے، ملتان سے دہلی و سنبھل تشریف لائے، جنھوں نے منطق و علم کلام کو اس دیار میں

بہت زیادہ ترقی دی، بدایونی لکھتا ہے،

" و از جملہ علمائے کبار عہد سکندری شیخ عبد اللہ طلبنی در دہلی و مولانا عزیز اللہ در

سنبل بودند، و این ہر دو عزیزان در ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول

دران دیار رواج دادند، و قبل ازین بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و

کلام در ہند شایع نہ بود"

شیخ عبداللہ کی درسگاہ مین خود سلطان سکندر شریک ہوتا تھا اور اس خیال سے کہ اس کے جانے سے درس کا سلسلہ رک نہ جائے وہ چھپ کر مدرسہ سے متصل گوشہ مسجد مین بیٹھ جاتا تھا، جہان سے وہ مولانا کی پوری تقریر سنتا اور فیض اٹھاتا تھا،

اکبر کے زمانہ مین شاہ فتح اللہ شیرازی آئے، جھون نے عضد الملک کا خطاب پایا، عضد الملک عالم جید اور علم پرست شخص تھا، اسی زمانہ مین حکیم شمس الدین اور اُن کے بھانجے حکیم علی گیلانی نے فنِ طب کو بہت فروغ دیا، شیخ عبدالحق محدّث دہلوی بھی اسی عہد مین فن حدیث کی ترویج و اشاعت کے لیے کوشان تھے،

مشاہیر علمائے ہند

شاہجہان و عالمگیر کے عہد مین میرزاہد تھے اور ان کی قابلانہ موشگافیون نے پایۂ علم وفن کو بلند تر کیا، انھی بزرگ کے سلسلہ مین قاضی مبارک اور شاہ ولی اللہ صاحب کا مشہور خاندان بھی ہے، جس مین شاہ عبدالعزیز، شاہ رفیع الدین، شاہ عبدالقادر، مولوی عبدالحیٔ، شاہ محمد اسمٰعیل، مولوی محمد اسحاق، مولوی رشید الدین، مفتی صدر الدین خان وغیرہ جیسے مشہور مدرسین و علماء تھے،

گجرات مین شیخ طاہر فتنی صاحب مجمع البحار، شیخ وجیہ الدین علوی گجراتی، ملّا نور الدین وغیرہ نے علوم و فنون کو ترقی دی، قاضی ضیاء الدین باشندہ نیوتنی نے گجرات پہنچکر شیخ وجیہ الدین کے فیضِ برکت سے فائدہ اٹھایا، ان سے شیخ جمال اور ان سے ملّا لطف اللہ

نے تعلیم حاصل کی، ان کے تلامذہ مین ملاجیون صاحب نورالانوار، ملّا علی اصغر، ملا محمد امان،
قاضی علیم اللہ بہت مشہور ہوئے، اور ان مین سے ہر شخص صاحب سلسلۂ ودرس گذرا،
لاہور کی علمی ترقی دہلی پر مقدم ہے، لیکن کچھ دنون کے لیے دہلی کے مقابلہ مین اس کا
چراغ ٹمٹماتا رہا، آخر مین اس کو پھر ایک مرتبہ فروغ حاصل ہوا جس کا سبب کمال الدین
کشمیری، جمال الدین تلہ، مفتی عبدالسلام، اور ملاعبدالحکیم سیالکوٹی جیسے نامور علما، کی ذات
ہے، ان بزرگون کے فیض سے ہزارون تشنگان علم سیراب ہوئے،

جون پور مین سلاطین شرقیہ کی علم پرستی کے باعث شیخ ابوالفتح شہاب الدین دولت آبادی
محمد افضل استاذالملک، مولنا اللہ داد، ملا محمود صاحب شمس بازغہ، مفتی عبدالباقی، اور
دیوان عبدالرشید جیسے صاحب فضل وکمال پیدا ہوئے، جن کا سلسلۂ فیض تمام ہندوستان
مین پھیلا،

اللہ آباد مین شیخ محب اللہ، قاضی آصف، شیخ افضل، شاہ خوب اللہ، شیخ محمد طاہر،
حاجی محمد فاخر زائر، مولوی برکت اللہ، اور مولوی جاراللہ جیسے فخر روزگار فضلا، نے
بزم درس وتدریس گرم رکھی، جس سے وہان تقریبًا ایک صدی تک اچھی علمی رونق رہی،
لکھنؤ مین سب سے پہلے شیخ اعظم جون پور سے فیضیاب ہوکر آئے، ان کے بعد
شاہ پیر محمد نے مسند افادہ بچھائی، ان کے شاگرد ملا غلام نقشبند نے سلسلۂ تعلیم کو بڑی وسعت دی،
ٹھیک اسی زمانہ مین شیخ قطب الدین کا جو مولانا عبدالسلام دیوی اور محب اللہ
اللہ آبادی کے سلسلۂ تلامذہ مین ایک باکمال استاد تھے شہرہ ہوا، ان کے فخر خاندان فرزند

ملا نظام الدین نے علم وفن کے دریا بہا دیے، ان کی بدولت لکھنؤ کو تعلیمی مرکزیت حاصل ہوگئی، جو نصابِ درس انھون نے مرتب کیا اس کو سارے ہندوستان نے قبول کیا، اس سلسلہ مین ملا حسن، بحر العلوم، ملا مبین، مولوی ولی اللہ، مفتی ظہور اللہ، مولوی نعیم اللہ، مولوی عبد الحکیم، مولوی عبد الحلیم مرحوم جیسے باکمال اساتذہ عصر پیدا ہوئے،

اس خاندان کے تلامذہ مین قطب الدین گوپاموی، امان اللہ بنارسی، قطب الدین شمس آبادی، محب اللہ بہاری، مولوی حمد اللہ، مولوی فضل امام اور مولوی فضل حق وغیرہ نے ہندوستان کے مختلف گوشون مین علوم و فنون کی ترقی کے لیے بڑی کوششین کین، اور آج تک اُن کے گذشتہ مساعی کے جو کچھ نتایج باقی ہین اُن سے ہر شخص اُنکی عظمت کا تصور کر سکتا ہے،

عربی کا قدیم نصابِ درس

اب اس سلسلہ مین سب سے زیادہ ضروری بحث نصابِ تعلیم کی بحث رہ گئی ہے، جس کو لکھنا گویا اس مضمون کو تکمیل تک پہنچانا ہے، ۱۳۲۷ھ مطابق ۱۹۰۹ء کے رسالہ الندوہ مین مخدومی مولٰنا سید عبد الحئی صاحب موجودہ ناظم ندوۃ العلما لکھنؤ، نے "ہندوستان کا نصابِ درس" ایک محققانہ مضمون لکھا تھا، مولٰنا حکیم سید عبد الحئی صاحب قبلہ تاریخ علما و علوم ہند کے بہترین عالم ہین، مولانا موصوف نے علمائے ہند کی ایک مفصل و مبسوط تاریخ عربی زبان مین لکھی ہے جو متعدد مجلدات پر مشتمل ہے، مین نے جابجا سے اس کے مختلف صفحات کا بغور مطالعہ کیا ہے، علانیہ یہ کہہ سکتا ہون کہ اس سے

زیادہ بہتر تاریخی تحقیق و تفتیش، تلاش و جستجو اور کاوش و محنت کا نمونہ پیش نہین کیا جا سکتا، افسوس بس ہے کہ ابھی غیر مطبوع ہونے کے باعث یہ بے نظیر اور ضروری تالیف منظر عام پر نہین آئی،

مولانا موصوف اپنے مضمون "ہندوستان کا نصاب درس" مین تحریر فرماتے ہین،

"مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم سہولت کے لحاظ سے نصاب درس کے چار دور قائم کرین اور جو کتابین ہر دور مین مروج تھین، اُن کی تفصیل جہان تک تاریخ سے، سیر سے، مشائخ کے طبقات سے، شعراء کے تذکرون سے اور مکتوبات و ملفوظات سے مل سکتی ہے یکجا کر دین، دیکھنے کو تو ایک ذرا سا کام ہوگا، مگر مختلف کتابون کے ہزار ہا صفحے الٹنے کے بعد ہم اس نتیجہ پر پہنچے ہین جو ناظرین کے سامنے آج پیش کرتے ہین"،

حقیقت یہ ہے کہ ہر دور کے کتبِ درسی کی جو تفصیل مذکورۂ بالا ذرائع تاریخی سے مولٰنا ممدوح نے جمع کر دی ہے، اس پر اضافہ مشکل ہے، بحیثیت مضمون نگار اس ضرورت کیلئے مین نے بھی مختلف کتبِ تاریخ و سیر کی ورق گردانی کی، لیکن ہر قدم پر مجھے مولانا کی تصریحات سے اتفاق کرنا پڑا اور مزید اضافہ کی کوئی گنجائش نہ نکلی، اس بنا پر مین نے غیر ضروری کاوش سے قطعِ نظر کر کے مولانا ممدوح ہی کی تصریحات کو اس موقع پر نقل کر دینا بہتر خیال کیا، چنانچہ قریب قریب مولانا ہی کے الفاظ مین نصابِ درس کی یہ تمام تصریحات اس موقع پر نقل کی جاتی ہین،

دور اوّل

اس کا آغاز ساتوین صدی ہجری سے سمجھنا چاہیئے اور انجام دسوین صدی پر اس وقت

ہوا، جب کہ دوسرا دور شروع ہو گیا تھا، کم وبیش دو سو برس تک مندرجۂ ذیل فنون کی تحصیل معیارِ فضیلت سمجھی جاتی تھی، صرف، نحو، بلاغت، فقہ، اصولِ فقہ، منطق، کلام، تصوف، تفسیر، حدیث،

علم نحو مین، مصباح، کافیہ، لب الالباب، مصنفہ قاضی ناصر الدین بیضاوی، اور کچھ دنون بعد ارشاد، مصنفہ قاضی شہاب الدین دولت آبادی،

فقہ مین ہدایہ،

اصولِ فقہ مین منار، اور اس کے شروح اور اصول بزودی،

تفسیر مین مدارک، بیضاوی، اور کشاف،

تصوف مین عوارف، فصوص الحکم اور ایک زمانہ کے بعد نقد النصوص، ولمعات، بھی ان مدارس مین رائج ہو گئی تھین جو خانقاہون سے متعلق تھے،

حدیث مین مشارق الانوار، مصابیح السنہ، (یعنی مشکوۃ المصابیح کا متن)

ادب مین مقاماتِ حریری، زبانی یاد کی جاتی تھی، حضرت نظام الدین اولیا کے ملفوظات سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ نے شمس الملک استاذ شمس الدین خوارزمی، سے مقامات حریری پڑھی تھی اور چالیس مقامے زبانی یاد تھے،

منطق مین شرح شمسیہ، فن کلام مین شرح صحائف، اور بعض بعض مقامات پر تمہید ابو شکور سالمی،

اس طبقہ کے علماے کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جیسا ہمارے زمانہ مین

منطق و فلسفہ معیارِ فضیلت ہے ویسا ہی اس زمانہ مین فقہ اور اصول فقہ معیارِ فضیلت تھا، حدیث مین صرف مشارق الانوار کا پڑھ لینا کافی سمجھا جاتا تھا، اور جس خوش نصیب کو مصابیح ہاتھ آجاتی تھی، وہ امام الدنیا فی الحدیث کے لقب کا مستحق ہو جاتا تھا،

اصل یہ ہے کہ اس زمانہ کے نصابِ تعلیم مین جو خصوصیات نظر آتی ہین وہ فاتحینِ ہند کے مؤثر مذاق کا نتیجہ تھین، ہندوستان مین اسلامی حکومت کا تخت جس قوم نے بچھایا وہ غزنی اور غور سے آئی، یہ وہ بلاد ہین جہان فقہ و اصول فقہ کا ماہر ہونا علم و فن کا طغرائے امتیاز تھا، یہی سبب ہے کہ فقہی روایات کا پایہ بلند تھا، علم حدیث کی طرف کوئی توجہ نہین تھی، اس کا اندازہ اس واقعہ سے ہو سکتا ہے، کہ غیاث الدین تغلق کے دربارِ حکومت مین مسئلہ سماع کی نسبت مناظرہ پیش آیا، ایک طرف شیخ نظام الدین اولیا اور دوسری طرف تمام علمائے دہلی تھے، شیخ فرماتے ہین کہ مین جب کوئی حدیث استدلالاً پیش کرتا تھا تو وہ لوگ بڑی جرأت سے کہتے تھے کہ اس شہر مین حدیث پر فقہی روایات مقدم سمجھی جاتی ہین، کبھی کہتے تھے کہ یہ حدیث شافعی کی متمسک بہ ہے، اور وہ ہمارے علما کا دشمن ہے، ہم ایسی حدیثین نہین سننا چاہتے، شیخ فرماتے ہین کہ جس شہر کے علما مین اس درجہ مکابرہ و عناد ہو وہ کیونکر آباد رہ سکتا ہے، وہ تو اس قابل ہو کہ بالکل تباہ و ویران ہو جائے[1]

ضیاء برنی نے اپنی تاریخ مین علاء الدین خلجی کے عہدِ حکومت کا ایک واقعہ نقل کیا ہے، کہ مولانا شمس الدین ترک ایک مصری محدث ہندوستان مین علم حدیث کی ترویج

---

[1] کسی قدر اختلاف کے ساتھ فرشتہ نے بھی تذکرۂ نظام الدین اولیاء مین اس واقعہ کو درج کیا ہے،

کے ارادہ سے ملتان تک آکر واپس چلے گئے، مگر چلتے وقت بادشاہ کو ایک رسالہ لکھکر بھیجدیا جس مین اس پر بہت کچھ غیرت دلائی تھی کہ ہندوستان مین حدیث کی طرف سے علماء مین بڑی بے اعتنائی پھیلی ہوئی ہے، دنیا ساز مولویون نے بادشاہ تک اس رسالے کو بھی نہ پہنچنے دیا،

دورِ دوم

نوین صدی ہجری کے آخر مین شیخ عبداللہ اور شیخ عزیز اللہ ملتان سے آئے، اوّل الذکر دہلی اور ثانی الذکر سنبھل مین فروکش ہوئے، یہ سکندر لودی کا عہدِ حکومت تھا، اس نے ان دونون بزرگون کا بڑے تزک و احتشام سے خیر مقدم کیا، کچھ ان دونون کے فضل و کمال اور کچھ بادشاہ کی قدرشناسی سے بہت جلد ان کی علمی عظمت ہندوستان مین ہر چہار طرف قائم ہوگئی، انھون نے سابق معیارِ فضیلت کو کسی قدر بلند کر دیا، قاضی عضد کی تصانیف مطالع و مواقف اور سکاکی کی مفتاح العلوم داخلِ نصاب کین، اور بہت جلد یہ کتابین مقبولِ عام ہوگئین،

بدایونی کا یہ جملہ اس سے پہلے بھی نقل کر چکا ہون کہ

"این ہر دو عزیزان ہنگام خرابی ملتان بہندوستان آمدہ علم معقول را دران دیار رواج دادند و قبل ازین بغیر از شرح شمسیہ و شرح صحائف از علم منطق و کلام در ہند شایع نہ بود"

اسی دور مین میر سید شریف کے تلامذہ نے شرح مطالع اور شرح مواقف

کو رواج دیا اور علامہ تفتازانی کے شاگردون نے مطول اور مختصر کی بنیاد ڈالی اور تلویح و شرح عقائد نسفی کو رواج دیا،

اسی زمانہ مین شرح وقایہ اور شرح جامی بھی رفتہ رفتہ داخل نصاب ہو گئین، اس دور کے سب سے آخر مگر سب سے زیادہ نامور عالم شیخ عبد الحق محدث دہلوی ہین، جو ہندوستان سے عرب گئے، اور وہان تین برس رہ کر علماے حرمین شریفین سے فن حدیث کی تحصیل و تکمیل کی اور یہ تحفہ ہندوستان کے لیے لائے، انھون نے اوران کی اولاد نے برابر اس کی اشاعت کی مگر افسوس ہے کہ ناکامیابی ہوئی کیونکہ یہ شرف ایک دوسرے بزرگ کے لیے خدا نے مخصوص کر رکھا تھا،

یہان پر دور دوم کی داخل نصاب کتابون کی نام بنام فہرست دینا محض طوالت ہے کیونکہ دور اول کی جن کتابون کی فہرست دیجا چکی ہے، مذکورۂ بالا کتابین یعنی مطالع و مواقف اوران کی شرحین مطول، مختصر، تلویح، شرح عقائد نسفی، شرح وقایہ اور شرح جامی اس فہرست پر اضافہ کر لینے سے دور دوم کا نصاب بآسانی مرتب ہو جاتا ہے،

اس طبقہ کے علماے کرام کے حالات سے معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح ہمارے زمانہ مین صدرا اور شمس بازغہ انتہائی کتابین سمجھی جاتی ہین، اسی طرح اس زمانہ مین مفتاح العلوم سکاکی اور قاضی عضد کی مطالع اور مواقف منتہیانہ کتابین تھین، بدایونی نے جابجا اس کی طرف اشارہ کیا ہے،

مفتی جمال الدین خان کے حالات مین لکھا ہے،

"برشرحین مفتاح محاکمہ کردہ و عضدی راکہ کتاب منتہیانہ ہست می گویند کہ چہل مرتبہ

ازاول تا آخر درس گفتہ"۔

شیخ حاتم کے حالات مین لکھا ہے،

"می گفتند کہ قریب بہ چہل مرتبہ شرح مفتاح و مطول را از بائے بسم اللہ تا تائے تمت درس گفتہ

دبرین قیاس سائر کتب منتہایئہ"

دور سوم

دور دوم مین جو تغیر نصابِ درس مین ہوا، اس سے لوگون کی اُمنگین بڑھ گئی تھین، اور وہ معیارِ فضیلت کو پہلے سے بھی زیادہ بلند کرنے کے متمنی تھے، شاہ فتح اللہ شیرازی ہندوستان آئے ادھر دربار اکبری نے ان کو عضد الملک کا خطاب دے کر بہت بلند پایہ بنا دیا، انھون نے سابق نصابِ درس مین کچھ جدید اضافے کئے جس کو علماء نے فوراً قبول کرلیا، اور اب مدارس مین نئی قسم کی چہل پہل نظر آنے لگی،

مآثر الکرام مین میر غلام علی آزاد نے مندرجہ ذیل عبارت مین اس کا اعتراف کیا ہے،

تصانیف علمائے متاخرین ولایت مثل محقق دوانی و میر صدر الدین و میر غیاث الدین منصور و مرزا جان میر، بہ ہندوستان آورد، و در حلقہ درس انداخت و جم غفیر از حاشیہ عقل استفادہ کردند و ازان عہد معقولات را رواجی دیگر پیدا شد"۔

شاہ ولی اللہ صاحب المتوفی ۱۱۷۶ھ نے جو اس دور کے سب سے اخیر مگر سب سے زیادہ نامور عالم تھے، الجزء اللطیف مین اپنی درسیات کو اس ترتیب سے لکھا ہے،

نحو مین، کافیہ شرح جامی،

منطق مین، شرح شمسیہ شرح مطالع،

فلسفہ مین، شرح ہدایۃ الحکمۃ،

کلام مین، شرح عقائد نسفی مع حاشیہ خیالی، شرح مواقف،

فقہ مین، شرح وقایہ، ہدایہ (کامل)

اصول فقہ مین، حسامی اور کسی قدر توضیح تلویح،

بلاغت مین، مختصر و مطول،

ہیأت و حساب مین، بعض رسائل مختصرہ،

طب مین، موجز القانون،

حدیث مین، مشکوۃ المصابیح کل، شمائل ترمذی کل، کسی قدر صحیح بخاری،

تفسیر مین، مدارک، بیضاوی،

تصوف و سلوک مین، عوارف و رسائل نقشبندیہ، شرح رباعیات جامی، مقدمہ شرح لمعات، مقدمہ نقد النصوص، اس قدر پڑھنے کے بعد شاہ صاحب عرب تشریف لے گئے، اور وہان کئی برس رہ کر شیخ ابو طاہر مدنی سے فن حدیث کی تکمیل کی، جس کی ہندوستان آکر ایسی سرگرمی سے اشاعت کی کہ باوجود کساد بازاری اب تک اس کا اثر باقی ہے، ہندوستان مین صحاح ستہ کے درس و تدریس کا رواج اسی وقت سے ہوا ہے، جب کہ شاہ صاحب اور ان کے نامور اخلاف نے اس کو اپنی محنتون سے رواج دیا، اور

اپنی عمر عزیز کا بیشتر حصہ اس کی اشاعت پر صرف کر دیا، شاہ صاحب نے ایک نیا نصابِ درس بھی مرتب کیا تھا، مگر چونکہ اس زمانہ مین علم کا مرکز نقل دہلی سے لکھنؤ کو منتقل ہو چکا تھا، اور تمام درسگاہون مین منطق و حکمت کی چاشنی سے لوگون کے کام و زبان آشنا ہو رہے تھے، اس لیئے اس کو مقبولِ عام ہونا نصیب نہ ہوا،

دور چہارم

چوتھا دور بارہوین صدی ہجری مین شروع ہوا، اس کے بانی ملا نظام الدین تھے جنھون نے اس کی بنیاد ایسے زبردست ہاتھون سے رکھی کہ باوجود امتدادِ زمانہ آج تک اس مین کوئی کمی نہین واقع ہوئی،

ملا صاحب، شاہ ولی اللہ صاحب کے ہمعصر تھے، اس دور مین جو کتابین رائج تھین انکی تفصیل گذر چکی، ملا نظام الدین صاحب نے اس پر بہت کچھ اضافہ کیا، اور بعد اضافہ اس نصاب کی مکمل صورت یہ ہوئی،

صرف مین، میزان، منشعب، صرف میر، پنج گنج، زبدہ، فصول اکبری، شافیہ،

نحو مین نحو میر، شرح مأتہ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی،

منطق مین، صغریٰ، کبریٰ، ایساغوجی، تہذیب، شرح تہذیب، قطبی مع میر، سلم العلوم

حکمت مین، میبذی، صدرا، شمس بازغہ،

ریاضی مین، خلاصۃ الحساب، تحریر اقلیدس مقالۂ اولیٰ، تشریح الافلاک، رسالہ قوشجیہ، شرح چغمنی باب اول،

بلاغت مین ، مختصر معانی ، مطول تا ما انا قلت ،

فقہ مین شرح وقایہ اولین ، ہدایہ اخیرین ،

اصول فقہ مین ، نور الانوار ، توضیح تویح ، مسلم الثبوت (مبادی کلامیہ)

کلام مین ، شرح عقائد نسفی ، شرح عقائد جلالی ، میر زاہد ، شرح مواقف ،

تفسیر مین ، جلالین ، بیضاوی ،

حدیث مین ، مشکوٰۃ المصابیح ،

اس نصاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ طالب علمون مین امعان نظر اور قوت مطالعہ پیدا کرنے کا اس مین بہت لحاظ رکھا گیا ہے ، اور جس کسی نے تحقیق سے پڑھا ہو تو گو اس کو معًا بعد ختم تعلیم کسی مخصوص فن مین کمال حاصل نہین ہو جاتا ، لیکن یہ صلاحیت ضرور پیدا ہو جاتی ہے کہ آیندہ محض اپنی محنت سے جس فن مین چاہے اچھی طرح کمال پیدا کرے ،

تحقیق کی قید اس لئے لگائی گئی کہ موجودہ طرزِ تعلیم بالکل ناقص ہے ، **ملا نظام الدین** کا طریقۂ درس یہ تھا کہ وہ کتابی خصوصیات کا چندان لحاظ نہین کرتے تھے ، بلکہ کتاب کو محض ذریعہ تعلیم قرار دے کر اصل فن کی تعلیم دیتے تھے ، اسی طرز تعلیم کا نتیجہ **ملا کمال الدین بحر العلوم** اور حمد اللہ جیسے علمائے جید تھے ،

(۵)
دورِ پنجم

یہ دور اسلامی تعلیم گاہون کے زوال کا دور ہے ، اس وقت ہندوستان مین اسلامی حکومت کا چراغ گل ہو رہا تھا ، مسلمانون کی علمی و تعلیمی مجلسین بھی غیر منتظم و پراگندہ ہو رہی تھین ،

اس دور مین جو نصابِ تعلیم متعین ہوا وہ در اصل پچھلے درسِ نظامی کی بگڑی ہوئی صورت ہے، اور وہی آج تک عام اسلامی تعلیم گاہون مین رائج و شائع ہے،

اس نصاب مین حسب ذیل فنون اور کتابین شامل ہین،

صرف، میزان، منشعب، پنج گنج، زبدہ، دستور المبتدی، صرف میر، گذشتہ نصف صدی سے علم الصیغہ، فصول اکبری، شافیہ،

نحو، نحو میر، مأتہ عامل، شرح مأتہ عامل، ہدایۃ النحو، کافیہ، شرح جامی،

بلاغت، مختصر معانی کامل، مطول تا ما انا قلت،

ادب، نفحۃ الیمن، سبعہ معلقہ، دیوان متنبی، مقاماتِ حریری، حماسہ،

فقہ، شرح وقایہ اولین، ہدایہ اخیرین،

اصولِ فقہ، نور الانوار، توضیح تلویح، مسلم الثبوت (آخر الذکر کتاب اصول فقہ مین ہے، لیکن حصۂ زیرِ درس درحقیقت علم کلام کا ٹکڑا ہے، اس لئے اس کو علم کلام مین داخل سمجھنا چاہئے)

منطق، صغری، کبری، ایساغوجی، قال اقول، میزان منطق، تہذیب، شرح تہذیب قطبی، میر قطبی، ملا حسن، حمد اللہ، قاضی مبارک، میر زاہد رسالہ، حاشیہ غلام یحیی بر میر زاہد، ملا جلال، اور کہین کہین بحر العلوم شرح سلم، حاشیہ عبد العلی بر میر زاہد رسالہ اور شرح سلم ملا مبین بھی داخلِ نصاب ہے،

حکمت، میبذی، صدرا، شمس بازغہ،

کلام، شرح عقائد نسفی، خیالی، میر زاہد امور عامہ،

ریاضی، تحریر اقلیدس مقالۂ اولیٰ، خلاصۃ الحساب، تصریح شرح تشریح، شرح چغمنی،

فرائض، شریفیہ،

مناظرہ، رشیدیہ،

تفسیر، جلالین، بیضاوی تا سورۂ بقرہ،

اصول حدیث، شرح نخبۃ الفکر،

حدیث، بخاری، مسلم، موطا، ترمذی، ابوداود، نسائی، ابن ماجہ،

یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ اس نصاب مین منطق کی جتنی کتابین داخل ہین وہ علی العموم ہر درسگاہ مین پڑھائی جاتی ہین، بخلاف اس کے ادب و حدیث کی جو کتابین مندرج ہین وہ ہر جگہ نہین پڑھائی جاتین، جس کسی کو ادب پڑھنے کا شوق ہوتا ہے وہ کتب درسیہ کے علاوہ خارج اوقات مین ادب کی مذکورۂ نصاب کتابون کو بھی پڑھتا ہے، بشرطیکہ اس کو کوئی معلم ادب بھی مل جائے، جو عموماً مدارس مین ناپید ہوتے ہین،

حدیث کے لیے دیگر کتب درسیہ سے فارغ ہو چکنے کے بعد ایسے مقامات کا سفر کرنا پڑتا ہے، جہان حدیث کے پڑھانے والے مل سکین،

اس بنا پر میرے خیال مین اس نصاب درس سے جو عموماً مدارس عربی مین رائج ہے، عملاً حدیث و ادب کی مذکورۂ بالا کتابون کو خارج ہی سمجھنا چاہئے،

اس آخری نصاب درس کے نقائص

(۱) منطق کی کتابین ضرورت سے بہت زیادہ ہو گئین، شروع سے لیجئے تو پندرہ[۱۵]

کتابین صرف اس ایک فن کی ہین،

(۲) منطق کی جو کتابین داخلِ درس ہین ان مین بہت خلط مبحث ہے، ملا حسن، حمد اللہ قاضی وغیرہ فن منطق مین ہین، لیکن ان مین منطق کے مسائل سے کہین زیادہ امور عامہ اور فلسفہ کے مسائل ہین، جعل بسیط، جعل مرکب، علم باری اور کلی طبعی کا وجود فی الخارج وغیرہ مسائل ایسے اہم و وسیع ہین، جن مین پڑکر طالب علم منطق کے خاص مسائل کی طرف بہت کم متوجہ ہو سکتا ہے،

(۳) منطق کی پندرہ کتابین اس نصاب مین ہین لیکن فن تفسیر جیسے ضروری فن کی صرف دو کتابین لی گئین، بیضاوی اور جلالین، بیضاوی کے صرف ڈھائی پارے زیر درس ہین، جلالین پوری پڑھائی جاتی ہے، لیکن اس کے اختصار کا یہ عالم ہے کہ قرآن مجید اور اس کے الفاظ و حروف عدداً برابر ہین،

(۴) حدیث و تفسیر کو ادب و عربیت سے مدد پہنچتی ہے، لیکن اس کا حصہ بہت کم ہے، بلاغت مین صرف دو کتابین داخلِ نصاب ہین، مختصر و مطول، اسی آخری کتاب کا صرف ایک ربع حصہ پڑھایا جاتا ہے، ادب کا حال اوپر لکھ چکا ہون،

(۵) اس نصاب مین تاریخ، جغرافیہ، علم اعجاز القرآن وغیرہ ضروری علوم و فنون بالکل نہین ہین،

ترتیب کتب و طریقۂ تعلیم

متداول تاریخون مین طریقۂ تعلیم کی نسبت کچھ تفصیل نہ مل سکی، البتہ جناب شاہ

ولی اللہ صاحب کے رسالہ **وصیت نامۂ فارسی** مین طریقۂ تعلیم کی نسبت ایک تحریر ملی، جو اُن کا ذاتی تجربہ ہے، وہ اس طریقہ کو بہت نافع فرماتے ہین، چونکہ ایک بلند پایہ انسان کا بیان ہے، اس لیے اس کو یہان بجنسہ نقل کر دینا مناسب سمجھتا ہون، تحریر فرماتے ہین،

طریق تعلیم علم چنانکہ بہ تجربہ محقق شد آن ست کہ نخست رسائلِ مختصرہ صرف و نحو درس گویند، سہ سہ نسخہ از ہر یکے یا چہار چہار بقدر ذہن طالب، بعد ازان کتابے از تاریخ یا حکمت عملی کہ بزبان عربی باشد آموزند، و دران میان بر طریق تتبع کتب لغت و برآوردن مشکل از جائے آں مطلع سازند، چوں قدرت بزبان عربی یافت؛ موطا بروایت یحیٰی بن یحیٰی مصمودی بخوانانند و ہرگز آن را معطل نہ گذارند کہ اصل علم حدیث ست، و خواندن آن فیضہا دارد، ما را اسماع جمیع آں مسلسل ست، بعد ازان قرآن عظیم درس گویند، بآن صفت کہ صرف قرآن خوانند بغیر تفسیر و ترجمہ گوید، وانچہ مشکل باشد در نحو یا در شان نزول متوقف شود و بحث نماید، بعد فراغ از درس، تفسیر جلالین را بقدر درس بخوانند درین طریق فیضہاست بعد ازان در یک وقت کتب حدیث بخوانند مانند صحیحین و غیر آنہا و کتب فقہیہ و عقاید و سلوک، و در یک وقت کتب دانشمندی مثل شرح ملا جامی و قطبی و غیر آن الی ماشاء اللہ، و اگر میسر آید کہ مشکوٰۃ را یک روز بخوانند و روز دیگر شرح طیبی بقدر انچہ روز اوّل خوانده است بخوانند خیلے نافع ست،

تقسیم جماعات

یا

مدارج امتیازی

جہان تک تاریخ کی روشنی مین ہم گذشتہ مدارس پر نظر ڈال سکے عام طور پر یہ نظر آیا کہ قدیم زمانہ مین درجہ وار تقسیم کا جو طریقہ اب ہے کبھی نہ تھا، البتہ آخر زمانہ مین یہ معلوم ہوتا ہے کہ تمام زیر درس کتابین تین بڑے حصون مین منقسم ہین، مختصرات، متوسطات، اور مطولات جن کی تفصیل حسب ذیل ہے،

میزان سے لیکر قطبی تک مختصرات،

شروح سلم و زوائد ثلاثہ متوسطات،

صدرا، شمس بازغہ اور بیضاوی وغیرہ مطولات،

طلبہ کے مدارجِ امتیازی کا معیار بھی یہی کتابین تھین، ترقی کا طریقہ (تصریحاً نہین معلوم مگر) غالباً یہی تھا کہ نیچے درجے کی کتابین ختم کر چکنے کے بعد طلبہ خود بخود اوپر کے درجون مین شریک ہونے کے مستحق ہو جاتے تھے،

القاب طلبہ

بلحاظ تعلیم فنون فارغ التحصیل طلبہ کے لئے تین لقب تھے، فاضل، عالم اور قابل انہین

القاب کے ساتھ سالانہ جلسون مین ان کو سندین دی جاتی تھین، جن کی تقسیم اس طرح تھی،

۱- جو شخص منطق و حکمۃ مین ماہر اور دینیات مین قلیل العلم ہوتا تھا، اس کو فاضل،

۲- جو شخص محض دینیات مین پوری دستگاہ رکھتا تھا اس کو عالم،

۳- اور جو شخص صرف فنون ادبیہ مین مہارتِ کامل رکھتا تھا، اس کو قابل کے القاب دیے جایا کرتے تھے،

مخصوص علمی مقامات؛

پہلے مختلف علوم و فنون کے لیے مقامات مخصوص ہوتے تھے، جہان سے بڑھکر ان علوم کی تعلیم کہین بھی نہین ہوتی تھی، اس زمانہ مین طلبہ سفر و سیاحت کر کے مختلف مقامات سے مختلف علوم کی تحصیل کرتے تھے، اور جو مقام جس فن کے لیے مشہور ہوتا اسکو وہین جا کر حاصل کرتے تھے، مثلاً

صرف و نحو پنجاب مین،

حدیث و تفسیر، دہلی مین،

منطق و حکمت، رامپور مین،

فقہ، اصول فقہ، کلام، لکھنؤ مین،

فارسی زبان و فنون کی تعلیم

گذشتہ صفحات مین جو کچھ لکھا گیا ہے، اس کا تعلق عربی تعلیم سے ہے، جو گویا کالج کی تعلیم تھی

ابتدائی تعلیم یا اسکول کی زبان مسلمانون کے عہدِ حکومت مین فارسی تھی، کیونکہ حکمران جماعت
کی مادری زبان فارسی تھی اور اس لیے اُن کے عہدِ حکومت مین ابتدائی تعلیم اور کاروباری
زبان بھی فارسی ہو گئی، یہ اسی کا بقیہ اثر ہے کہ ہم آج تک ہندوستان کے مکاتب و
مدارس بلکہ انگریزی اسکولون اور کالجون تک مین فارسی زبان کی تعلیم کا وجود پاتے
ہین، آج سے پچاس برس پیشتر تک ہندوستان کے عام مراسلات اور خانگی خط و
کتابت مین ہندوستان کے تعلیم یافتہ ہندو اور مسلمان فارسی ہی زبان استعمال کرتے تھے
لیکن اس سے بلند معیار کے مطابق اس موقع پر یہ دکھانا نہایت ضروری ہے کہ
ہندوستان مین فارسی زبان اور اس کے فنون کی تعلیم کے نتائج و ثمرات کیا ہین؟
کیونکہ ہر چیز کی کامیابی و ناکامیابی کا صحیح معیار اس کے نتائج و عواقب ہی ہوتے ہین،
فارسی لٹریچر کے دونون حصّے نظم و نثر کے ماہر و کامل مسلمانون مین سے جتنے اشخاص
پیدا ہوئے ہم یہان پر ان مین سے صرف دو چار ایسے اشخاص کا تذکرہ کر دینا کافی
سمجھتے ہین جن کے فضل و کمال کا خود اہلِ زبان کاملینِ فن نے اعتراف ہی نہین کیا
بلکہ اُن کی تقلید و پیروی کو اپنا طغرائے امتیاز سمجھتے رہے، ہندوستان مسعود سعد سلمان
حضرت امیر خسرو، حسن دہلوی، فیضی اور غالب پر جس قدر چاہے فخر و ناز کر سکتا ہے، سعد سلمان
غ، تو یہ عہدِ حکومت کا سب سے زیادہ باکمال ماہرِ فن اور شہرۂ آفاق شاعر ہے، اس کی فضیلت
و کمالِ فن کا آوازہ ایران و ہندوستان دونون ملکون مین یکسان طور پر بلند تھا، امیر خسرو
کا پایہ اس سے بھی کہین بلند ہے، علامہ شبلی شعر العجم حصۂ دوم مین لکھتے ہین،

ہندوستان مین چھ سو برس سے آج تک اس درجہ کا جامع کمالات نہین پیدا ہوا، اور سچ پوچھو تو اس قدر مختلف اور گوناگون اوصاف کے جامع ایران وروم کی خاک نے بھی ہزارون برس کی مدت مین دو ہی چار پیدا کئے ہون گے، صرف ایک شاعری کو لو تو ان کی جامعیت پر حیرت ہوتی ہے، فردوسی، سعدی، انوری، حافظ، عرفی نظیری بے شبہ اقلیم سخن کے جم وکے ہین، لیکن ان کی حدودِ حکومت ایک اقلیم سے آگے نہین بڑھتے، فردوسی، مثنوی سے آگے نہین بڑھ سکتا، سعدی قصیدہ کو ہاتھ نہین لگا سکتے، انوری مثنوی اور غزل کو چھو نہین سکتا، حافظ، عرفی، نظیری غزل کے دائرہ سے باہر نہین نکل سکتے، لیکن خسرو کی جہانگیری مین غزل، مثنوی، قصیدہ، رُباعی، سب کچھ داخل ہے اور چھوٹے چھوٹے خطہ ہاے سخن یعنی تضمین، مستزاد اور صنائع و بدائع کا تو شمار نہین،

مولانا جامی نے بہارستان مین لکھا ہے کہ خمسہ نظامی کا جواب خسرو سے بہتر کسی نے نہین لکھا، طوطیِ ہند جو ان کا خطاب تھا، خواجہ حافظ اور عرفی بھی ان کو اسی خطاب سے یاد کرتے ہین،

حافظ — شکر شکن شوند ہمہ طوطیانِ ہند ۔ زین قند پارسی کہ بہ بنگالہ میرود (مقالاتِ شبلی)

عرفی — بہ روح خسرو ازین پارسی شکر دادم ۔ کہ کام طوطیِ ہندوستان شود شیرین

حضرت امیر خسرو کی یہی ہمہ گیر صلاحیت و قابلیت تھی جس کے آثار و علائم ان کی ابتدائی زندگی سے ظاہر ہو رہے تھے اور انہی آثار کی بنا پر جب اُن کی عمر اکتیس[۳۱] تیتیس[۳۲]

برس کی تھی اور اُن کی شاعری اپنی ترقی و کمال کے ابتدائی دور سے گذر رہی تھی تو شیخ سعدی شیرازی نے ان کے اس وقت کے کلام کو دیکھ کر یہ کہا تھا کہ خسرو جوہر قابل اور لائق تحسین و تربیت ہین،

حسن جو امیر خسرو ہی کے معاصر اور محبوب ہین، ان کا تغزل پر خاص احسان ہے، اُن کے کلام مین جو سلاست، روانی، صفائی، حسن ادا اور فصاحت ہے وہ ترقی کی طرف فن غزلگوئی کا پہلا قدم ہے، لیکن ان سب سے بڑھ کر یہ کہ معنوی حیثیت سے جو سوز و گداز اور جذبۂ و اثر ان کے ہان پایا جاتا ہے، اس سے امیر خسرو کا کلام بھی خالی ہے، ذیل کے چند شعرون سے اس کا اندازہ ہو سکتا ہے،

خلق گویند دل از صبر بجا آور باز — اے دل از صبر نشانے دہ اگر جائے ہست
اے کہ نظارۂ دیوانہ نکردی ہرگز — قدمے رنجہ کن این سوے کہ رسوائے ہست

ـــــــ ٠ ـــــــ

بر چون تو کسے دگر گزیدن — کارے دگر است کار من نیست
گفتی کہ چرا جدائی از من — این از فلک است از حسن نیست

ـــــــ ٠ ـــــــ

باز این دلم بسوے دلارام میرود — از دام جستہ باز بسوے دام میرود

ـــــــ ٠ ـــــــ

طرفہ سرد کاریست کہ با وعدۂ معشوق — صابر نتوان بود و تقاضا نتوان کرد

از حسن این چه سوال است که معشوق تو کیست — این سخن را چه جواب است تو هم میدانی

گفتی که چرا حالِ دلِ خویش نہ گوئی — من خود کنم آغاز بہ پایان کہ رساند

(شعر العجم) ملخصاً

فیضی اکبری دربار کا ملک الشعراء تھا، جہان بیسیون اہل زبان (ایرانی) شعرا موجود تھے، ظاہری محاسن کے علاوہ معنوی حیثیت سے اس کی شاعری مین جتنی خصوصیات ہین، ان کی تفصیل کا یہ موقع نہین، تاہم اتنا کہے بغیر نہین رہا جاسکتا کہ جوشِ بیان مین یہ تمام شعراء سے اس قدر آگے نظر آتا ہے کہ یہ اس کے خاص حصہ کی چیز ہوگئی ہے، اس مین شبہہ نہین کہ جوشِ بیان خواجہ حافظ مین بھی ہے اور اعلیٰ درجہ پر ہے، لیکن وہ رندانہ مضامین اور بے ثباتی عالم کے ساتھ مخصوص ہے، فیضی کے یہان فخریہ، عشقیہ، فلسفیانہ ہر قسم کے مضامین مین یکسان جوش پایا جاتا ہے، اس کی دوسری ممتاز خصوصیت استعارات کی شوخی اور تشبیہات کی ندرت ہے، گو اکبری دور کے شعراء مین یہ وصف عام ہے، لیکن نوعی شیرازی اور عرفی اس مین اپنے تمام معاصرین سے ممتاز ہین اور فیضی ممتاز تر، اسی مہارت و کمالِ فن کا یہ نتیجہ ہے کہ میرزا صائب فیضی کی غزل پر غزل کہتے ہین تو مقطع مین کہتے ہین،

این آن غزل کہ فیضیِ شیرین کلام گفت — در دیدہ ام خلیدہ و در دل نشستہ

رسمی قلندر ایک ایرانی شاعر تھا، اس نے اپنے ممدوح خانخانان کی مدح مین فیضی کے فضل و کمال کا یون اعتراف کیا،

زفیضِ نامِ توفیضی گرفت چون خسرو
بہ تیغِ ہندی اقلیم سبعہ را یکسر

علی نقی کمرہ ایران کے مشہور شاعر نے فیضی کی مدح مین قصیدہ لکھ کر ایران سے اس کے پاس بھیجا، جس مین لکھا،

مرا فگند بر نظمِ اہورم پر تو فیضی
ابو الفیض آن گزین اکبر و شیخ کبیر من

اگر ہستم مجیر اندر سخن او ہست خاقانی
وگر من مستجیر آستانِ او مجیر من

کیم با او رسد در شاعری دعوائے ہم چشمی
کہ دراین خانقاہم من مرید او ست پیر من

(شعر العجم حصہ سوم)

سب سے آخر مین خاتم الاساتذہ مرزا غالب کا نام لینا چاہئیے جن کے معجزانہ کمالِ فن نے فارسی شاعری کے مردہ جسم مین دوبارہ روح پھونکی، یہ عجیب بات ہے کہ ایک ہی زمانہ مین ایران اور ہندوستان دونون ملکون مین غالب اور قاآنی فارسی شاعری کی اصلاح وترقی مین مصروف تھے، ان دونون مین جس طرح یہ بتانا مشکل ہے کہ کون، کس سے متاثر ہوا، ٹھیک اسی طرح نتائج کے لحاظ سے بھی ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا نہایت دشوار ہے، ہم اجمالی طور پر صرف اتنا کہہ سکتے ہین کہ قاآنی کو پڑھکر اگر فرخی ومنوچہری وغیرہ کا دھوکا ہوتا ہے تو غالب کا کلام اسمٰعیل کمال اور سلمان ساوجی کی یاد تازہ کرتا ہے، اگرچہ مرزا غالب کا ابتدائی کلام گو خفیف سہی، لیکن لغزشون سے خالی نہین اور وہ جب تک مرزا بیدل اور ظہوری کی راہ پر چلنے کی کوشش کرتے رہے، گمراہیون مین مبتلا رہے، لیکن آخر آخر مین جس طرز پر کہنے لگے تھے وہ یقیناً استاذانہ طرز تھا، اور اس مین ان کے کمال و مہارتِ فن کا ثبوت ہر موقع پر ملتا ہے، مثلاً ان کا وہ قصیدہ جس کا یہ مطلع ہے،

روا ست شور نشید و ترانہ مستان را ۔۔۔ بشرط آنکہ نہ گویند راز پنہان را

کس قدر پختگی، سلاست، صفائی اور استاذانہ خصوصیات سے لبریز ہے، مرزا غالب نے اس قصیدہ کے آخر مین شاعرانہ فخر و ادعا کے طور پر خود ہی صاف کہدیا ہے،

چنان نگاشتہ ام این ورق کہ گر نگرد ۔۔۔ فتد ز دست قلم نقشبند شروان را
(خاقانی)
گزیدہ ام روش خاص کاندرین ہنجار ۔۔۔ بہ پویہ پائے بلرزد ظہیر و سلمان را

اب نثر کے سلسلہ مین غور کیجئے تو امیر خسرو کی اعجاز خسروی کا نام آتا ہے جس مین نثر نویسی کے اصول و قواعد بیان کئے گئے ہین اور اپنے فن مین غالباً یہ پہلی تصنیف ہے، یہ قدیم دور کی چیز ہے، اس لیے اس مین قدامت کی خصوصیات نمایان ہین یعنی ہر طرح کے صنائع و بدائع کی خاص طور پر پابندی کی گئی ہے، اس کے بعد اہمیت فن و انشاء کے لحاظ سے ابوالفضل کی تصنیفات آئین اکبری وغیرہ کا نام آتا ہے، ابوالفضل کی انشا پردازی گو قدماء کے طرز سے کسی قدر مختلف ہے، اور صنائع و بدائع کی سخت پابندیون سے بہت کچھ آزاد ہے، تاہم وقت پسندی، فخامت الفاظ اور اور دوسری قسم کی رنگ آمیزیان سے وہ بھی خالی نہین، البتہ اسی زمانہ مین ابوالفضل کے بھائی ابوالفیض فیضی نے سادہ نگاری کی ابتدا کی، انشائے فیضی، فیضی کے خطوط و مراسلات کا مجموعہ ہے، اس وقت تک خطوط اور مراسلات سے بیان واقعہ کی بجائے زیادہ تر انشا پردازی کا اظہار مقصود ہوتا تھا، فیضی نے اس کی اصلاح کی اور سادہ نگاری و واقعہ نویسی کو رواج دیا، چنانچہ اس کے خطوط سے اس زمانہ کے تمدن، تہذیب، معاشرت، آداب و رسوم ہر قسم کے حالات معلوم ہو سکتے

ہین، اس کے بعد ہم کو اس کتاب کا نام لینا چاہیے جو کمالِ قوتِ تحریر کی بہترین نظیر ہے، اور جس کے مصنف کی قوتِ تحریر حدِ اعجاز تک پہنچی ہوئی ہے، یعنی شہنشاہ جہانگیر کی تزکِ جہانگیری، اس مین ہر قسم کے واقعات کو جس خوبی، سادگی، صفائی اور بے تکلفی سے بیان کیا ہے اور ساتھ ہی ہر جگہ زبان کا لطف بھی قائم رکھا ہے، فارسی انشاپردازی مین اس کی کوئی مثال نہین، عالمگیر کے رقعات بھی سادگی وصفائی مین اس کے ہم پایہ ہین، بلکہ ممکن ہے کہین کہین بعض حیثیتون سے بہتر ہون، تاہم لطفِ زبان و رعایت اصولِ انشاپردازی کے لحاظ سے عالمگیر کہین کہین ٹھوکرین کھاجاتا ہے، لیکن جہانگیر کے قلم کو لغزش تک نہین ہوتی، اور پھر لطفِ عبارت اور معتدل رنگینیِ ادا کا لحاظ کیا جائے تو رقعاتِ عالمگیر کو تزکِ جہانگیری سے کوئی نسبت نہین، اور سچ یہ ہے کہ ہو بھی نہین سکتی، کیونکہ زہدِ خشک اور رنگینیِ ادا دونون ایک جگہ جمع نہین ہوسکتے، با این ہمہ بہرحال یہ واقعہ ہے کہ ہندوستان کی انشاپردازی کی یہ دو ممتاز کتابین اس قابل ہین کہ ان پر ہزارون ظہوری، وقائع نعمت خان عالی اور منشأت ملّا طاہر وحید نثار کردی جائین،

ان کے علاوہ یہان فارسی زبان مین بہت سی کتابین لکھی گئین جن مین ممکن ہے کہ کہین کہین مذکورۂ بالا خصوصیات کے عمدہ نمونے موجود ہون، لیکن اس موقع پر ہم اُن کے تذکرے کو قصداً قلم انداز کرتے ہین، کیونکہ یہان گفتگو زیادہ تر فارسی کے ادب و انشاپردازی سے ہے، لیکن یہان تک جو کچھ ہوا وہ خاص مسلمانون کا تذکرہ

تھا جن کی زبان ہی فارسی تھی، اب ہمین ہندوؤن کے متعلق یہ دکھانا چاہئے کہ انھون نے اسلامی تمدّن وحکومت کے زیر تربیت اس زبان مین کیا کیا ترقیان کین، افسوس ہے اس رسالہ مین زیادہ تفصیل کی گنجائش نہین اس لیے ہر چیز مین صرف اجمالی بیان پر اکتفا کرنا ہوگا، اور محض اسم شماری سے زیادہ کی نوبت نہ آسکے گی،

ہندو بہت دنون تک اس زبان سے بالکل الگ اور ناآشنا رہے، لیکن دسوین صدی کے آغاز یعنی سکندر لودی کے عہدِ حکومت مین انھون نے بھی اس کی تحصیل و تعلیم کی ضرورت محسوس کی اور بالآخر ایسی کامیابی کے ساتھ اس کو حاصل کیا کہ زباندانی مین مسلمانون کا مقابلہ کرنے لگے، کسی زبان کی تحصیل کے صرف یہ معنی نہین ہین کہ انسان محض اس کا حرف شناس ہو یا معمولی طور پر بول اور سمجھ لے، بلکہ معنی یہ ہین کہ اس مین جو کچھ علمی و ادبی سرمایہ ہو اس پر پوری دستگاہ حاصل کرے، اس اصول کی بنا پر اگر واقعات کا استقصار کیا جائے تو صاف نظر آئے گا کہ ہندوؤن نے فارسی زبان کے تمام علمی و ادبی شعبون پر کامل قدرت حاصل کر لی تھی، اور ان مین فارسی زبان کے بہتر سے بہتر ادیب، شاعر اور مصنف پیدا ہوئے، جن کی مختصر تفصیل حسب ذیل ہے،

فن تاریخ مین لب التواریخ، تاریخ شاہانِ ہند، راجا دلی، حالات مرہٹہ، خلاصۃ الہند، فتوحاتِ عالمگیری، تاریخ دلکشا، تاریخ کشمیر، تاریخ آصفی، گوالیار نامہ، تاریخ سورت، خلاصۃ التاریخ، تاریخ فرمانروایانِ ہنود، تحفۃ الہند، نظارۃ السند، وارداتِ قاسمی، مخزن العرفان، سلطان التواریخ، چار گلشن اور قسطاسِ وغیرہ فارسی زبان کے ہندو

مصنفین کی یادگارین ہین، آخرالذکر کتاب علوم وفنون کی مفصل تاریخ ہے مصنف نے اس کو چار حصون پر تقسیم کیا ہے، پہلے مین ہندوؤن کا فلسفہ ہے، دوسرے مین یونانیون کا، تیسرے مین عربون کے علوم وفنون اور چوتھے مین یورپ کا جدید سائنس، عربون کے علوم پر جو کچھ لکھا ہے اس کو دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ وہ اس قدر بسط کے ساتھ لکھنے مین کیونکر کامیاب ہوا،

تذکرون مین سعید نامہ، تذکرۃ الامرا، سفینۂ عشرت، حالات نانک شاہ، شام غریبان، سفینۂ خوشگو، حدیقۂ ہندی، امیر نامہ، سفینۂ ہندی، حالات بابا لال گرو، گل رعنا اور ہمیشہ بہار وغیرہ ہندوؤن کے قلم سے نکلی ہوئی فارسی کتابین ہین، آخرالذکر کتاب کے معتمد علیہ ہونے کا یہ حال ہے کہ علامہ آزاد بلگرامی اس کو خزانۂ عامرہ کی تالیف مین اپنا ماخذ قرار دیتے ہین،

فارسی لغات مین گردھاری لال کی گنج لغات، پنڈت گنگا بشن کی شیر وشکر، سیالکوٹی مل وارستہ کی مصطلحات الشعراء اور ٹیک چند بہار کی بہار عجم مشہور ومعروف کتابین ہین،

صرف وقواعد مین نوادر المصادر، بہار علوم، اور ہفت گل یہ سب کتابین ہندوؤن کی مصنفات ومؤلفات ہین،

ہندوستان مین فارسی زبان کے ہندو شعرا جتنے گذرے ہین، ان کا یہان مفصل تذکرہ تو نہین کیا جا سکتا، لیکن منتخب طور پر چند شاعرون کا نمونۂ کلام دیئے بغیر گذر جانا مناسب نہین، کیونکہ ان مثالون سے ہر شخص کو ہندوؤن کی فارسی دانی وقدرت زبان

اور فارسی زبان کے عموم ورسوخ کے اندازہ کرنے کا موقع ملے گا، ذیل کے اشعار ملاحظہ ہون باستثنا، چند ہندوستان مین جو مسلمان فارسی شعرا گذرے ہین، کیا یہ اشعار ان کے اشعار سے پست ہین؟

آرام | نام منشی الیسری داس[1]، نظام الملک آصفجاہ کی مدح مین لکھتا ہے،

بفرکوکبۂ بخشی ممالک ہند | سزد کہ باج زخوارزم وزختن گیرند
شہان زصولتِ آن جم وقارِ آصفجاہ | رکاب توسنِ شاہنشہ زمن گیرند
جوان وصاحبِ بخت جوان نظام الملک | کہ یاد ہمت ازو مردم دکن گیرند
برید گردنِ بلوئے فتنہ سازنخست | چنانکہ صبح سرِ شمع درلگن گیرند

الفت | نام لالہ اوجاگر، قوم کایستھ، وطن عظیم آباد،

درآمد شامِ غم در سینہ حسرت نام مہمانے | زداغ ول کشیدم بے تکلف پیش او خوانے

الفت | نام راجہ الفت رائے، بخشی ممالک اودھ،

نیست اہلِ آسمان را بردرت بے اذن بار | می کند گردون طوافِ درگہت لیل ونہار
ہرچہ ناممکن بود آید زتو برروئے کار | از غبارِ درگہ عرش احترامت آشکار

الفتی | نام راجہ پیارے لال، قوم کایستھ، وطن عظیم آباد، مثنوی نیرنگ تقدیر انکی مشہور ومقبول مثنوی ہے،

---

[1] فارسی زبان کے ہندو مصنفین، مترجمین، شعرا اور انشاپردازون کا مفصل تذکرہ محترمی جناب مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، معارف کے مقالات "ہندوون کی تعلیمی وعلمی ترقی میں مسلمانوں کی کوشش" کے سلسلہ میں تحریر فرما چکے ہیں، اس لیے یہاں اجمالی اشارات پر اکتفا کیا گیا، جس کو تفصیل دیکھنا ہو اُن مضامین کو دیکھے،

چون غنچہ جز سکوت نباشد بیانِ ما
پیچیدہ شد زبانِ سخن در دہانِ ما

اندیشۂ مآل نیاید زما درست
در دستِ دیگرست چو سود و زیانِ ما

در دشتِ پر بلائے جنون نیست اُلفتی
جز موجِ ریگ و اشکِ روان کاروانِ ما

امانت راجہ امانت رام،

شکر للہ نقشِ پائے مہ جبینے یافتم
آرزوئے سجدہ می کردم زمینے یافتم

اُنس نام لال چند، قوم کایستھ، وطن لکھنؤ،

روحِ جمشید بر در رشک بہ مے نوشیِ ما
کہ لبِ یار بود مایۂ بے ہوشیِ ما

جائے رحم ست خدا را نتوان کرد دریغ
ہست وابستۂ تیغِ تو سبکدوشیِ ما

برہمن چندر بھان ساکن آگرہ، دارا شکوہ کا میر منشی تھا،

کنم ز سادہ دلی بند دیدہ مژگان را
بمشتِ خس نتوان بست راہِ طوفان را

تفتہ منشی گوہر لال، قوم برہمن،

چند گوئی کہ نشان نیست نے خونین کفنان
مگر این لالہ کہ بینی ز شہیدانِ تو نیست

خوشدل راے امر سنگھ، قوم کایستھ، ساکن گڑہ مانک پور، مصنف تاریخ فرمانروایانِ ہنود،

گرم است بسکہ نالۂ آتش فشانِ ما
سوزد برنگِ شمع زبان در دہانِ ما

موجد لالہ کالکا پرشاد لکھنوی،

رسائی نیست تا سر منزلِ او کفر و ایمان را
کہ دیر و کعبہ سنگِ رہ بود گبر و مسلمان را

منشی لالہ فتح چند برہان پوری،

نیست آسایش بمنزل جان از خود رفتہ را
ہر قدم دام است نقش پا شکار جستہ را

بسکہ از شرم تو در پرواز رنگ گلشن است
رشتہ نظارہ بند و در ہوا گلدستہ را

منوہر — رای منوہر لال یکے از امرای اکبر بادشاہ،

روزیکہ سموم حشر افزون گردد
در آتش غم چو چہرہ گلگون گردد

ما در دوزخ چنان بذوقے سوزیم
کز رشک دل بہشتیان خون گردد

یہ معلوم کر کے ہر شخص کو حیرت ہوگی، کہ یہ ان لوگون کی فارسی زباندانی کا نمونہ ہے جن کے آبا و اجداد صدی دو صدی پہلے زبان تو کہان، اس کے الفاظ و حروف کے صحیح تلفظ پر بھی قدرت نہین رکھتے تھے، دسوین صدی ہجری کے آغاز سے ہندوؤن نے فارسی زبان کی تعلیم شروع کی تھی، اور اس کا سلسلہ تیرہوین صدی کے اوایل یا زیادہ سے زیادہ وسط تک قائم رہا،

اب اگر یہ سوال کیا جائے کہ آخر یہ نتائج کیون کر پیدا ہوئے؟ اس قدر قلیل مدت مین کیونکر فارسی زبان و فنون پھیل گئے، ہندوؤن نے کس طرح اس سرعت کے ساتھ اس زبان مین کافی مہارت حاصل کرلی؟ تو ان سوالات کا صحیح جواب صرف یہ ہے کہ

کسی زبان کی تحصیل کا عمدہ ذریعہ یہ ہے کہ اہل زبان کی صحبت نصیب ہو، آج بھی غیر زبانون کی تحصیل کا اچھا اور سہل طریقہ یہی مانا جاتا ہے کہ انسان جس زبان کو سیکھنا چاہے، اس زبان کے جاننے والے سے اسی مین گفتگو کیا کرے،

چنانچہ اس وقت ہندوؤن کو یہی موقع حاصل تھا، مسلمانون کی معاشرت اس قدر عام

اور غیر متعصبانہ تھی کہ ہندو علی العموم مسلمان امرا و رؤسا کی مجلسون مین مساویانہ شریک ہوتے تھے، اور تو اور خود اکبر، جہانگیر، شاہجہان، داراشکوہ دربار حکومت مین بے شبہہ حاکم بن کر بیٹھتے تھے، لیکن معاشرتی صحبتون مین جن مین ہندو مسلمان دونون شریک ہوتے تھے بالکل ایک مقتدر مگر بے تکلف شریک بزم نظر آتے تھے، صرف یہی چیز تھی جس نے فارسی زبان کو ہندوستان مین عام کر دیا اور ہر کس و ناکس کے کام و دہن بادۂ ایران کی لذّت سے آشنا ہو گئے، لیکن ہان یہ سہولت جو کچھ تھی محض زبان سیکھنے کے لیے مفید تھی، جب فارسی زبان مین علوم و فنون کی تعلیم ہونے لگی تو پھر نصابِ درس بھی مقرر کیا گیا، جس کے مطابق تعلیم دی جاتی تھی،

طریقۂ تعلیم

ابتداءً ہندو بچون کو فارسی حروف کی شناخت، تلفظ، اور کتابت مین سخت دشواریان پیش آتی تھین، ہندو آرین نسل سے ہین اور تمام آرین تحریرین بائین جانب سے داہنے کی طرف لکھی جاتی ہین، لیکن ان کو فارسی تحریرون مین اپنی اس قدیم قومی و نسلی عادت کے خلاف داہنی طرف سے بائین طرف لکھنا پڑتا تھا، ان مشکلات کو رفع کرنے کے لیے اکبر نے یہ طریقہ مقرر کیا کہ اوّلاً استاد بچون کو مفرد حروف پہچنوائے اور اس کی مشق کرائے، پھر اعراب اور مرکب حروف، غرض اس طرح تدریجاً چھوٹے چھوٹے جملون، اشعار اور طویل عبارتون تک قوت نوشت و خواند کو ترقی دی جائے، آئین اکبری مین اس کی تفصیل ان الفاظ مین ہے،

بفرمودۂ گیتی خداوند حروف ابتث (یعنی مفردات اب ت ث) برنویسند و دیگر پیکر را بدانسان نگارند نخست بصورت و نام آشنا گردند و در روز بیش نہ کشد که از نقوش پیوسته (یعنی مرکب) آگہی برگیرد . . . . وکوشش رود که ہریک را (نوآموز) خود بشناسد و اندکے استاد دستگیری کند،

اس طریقۂ تعلیم کی کامیابی کے متعلق ابوالفضل کی شہادت ان الفاظ مین ہے،

بدین روش آنچہ بسالہا آموختے بماہ بل بروز کشید و جہانی بہ شگفت درآمد . . . . . وازیں طرز الٰہی مکتبہا رونق دیگر گرفت و مدرسہا فروغ تازہ یافت،

اس سلسلہ مین ابوالفضل کا یہ بیان بھی کہ اس وقت فلان فلان علوم کی تعلیم ہوتی تھی قابلِ تحریر ہے، چنانچہ لکھتا ہے،

اخلاق، حساب، سیاق، فلاحت، مساحت، ہندسہ، نجوم، رمل، تدبیرمنزل، سیاست مدن، طب، منطق، طبیعی، ریاضی، الٰہی، تاریخ مرتبہ مرتبہ اندوزد، واز ہندی علوم بیاکرن، نیاے، بیدانت، پاتنجل[1] برخواند،

فارسی نصاب درس،

مین نے حتی الامکان بڑی تلاش و جستجو کی، لیکن تفصیل کے ساتھ فارسی کی متداول تاریخون مین کہین فارسی نصابِ درس کا تذکرہ نہ ملا، ہان اشخاص کے حالات، تذکرے اور دوسرے مختلف ذریعون سے اجمالی طور پر صرف اتنا معلوم ہوا کہ

---

[1] یہ اور اوپر کی عبارتین آئین اکبری جلد اول دفتر دوم آئین آموزش کی ہین،

(نثر میں) نسخہ تعلیمیہ، تعلیم عزیزی، دستور الصبیان، انشائے مادھورام، انشائے فائق، انشائے خلیفہ، رقعات عالمگیری، گلستان، ابوالفضل، بہار دانش، انوار سہیلی، سہ نثر ظہوری، وقائع نعمت خان عالی،

(نظم میں) کریما، مامقیمان، خالق باری، بوستان، یوسف زلیخا، قصائد عرفی، قصائد بدر چاچ، دیوان غنی، سکندر نامہ وغیرہ،

کتابین عام طور پر پڑھائی جایا کرتی تھین، مجھے تعجب تھا کہ شاہنامہ، تصانیف خسرو دیوان صائب اور دیوان حافظ جیسی عمدہ کتابین اپنے گوناگون محاسن وفوائد کے باوجود کیون نہین پڑھائی جاتی تھین، اس کے علاوہ تاریخ جیسا ضروری فن بالکل غائب تھا، اخلاق کی کتابین بھی براے نام تھین، باربار یہی خیال ہوتا تھا کہ موجودہ معلومات اور جستجو اپنے نتائج کے رو سے بالکل نامکمل ہے، غرض کسی طرح مجھ کو تسکین وتشفی نہ تھی،

اسی اثنا مین کتب خانۂ الاصلاح موضع دسنہ (علاقہ بہار) سے رقعات عالمگیری کا ایک قدیم قلمی مجموعہ اس کی ترتیب وتصحیح کی ضرورت سے میرے پاس آیا، حسن اتفاق سے اس مین ایک اور کتاب بھی ہاتھ آئی، جس کا نام خلاصۃ المکاتیب اور سال تصنیف ۱۱۰۰ھ ہجری ہے،

یہ کتاب ایک ہندو مصنف کے قلم سے نکلی ہوئی ہے، خود مصنف کے نام کا تو کہین ذکر نہین، لیکن آغاز کتاب مین مصنف نے سبب تالیف یہ لکھا ہے،

از چندگاہ فرزند ارشد ارجمند نور چشم مراد فروغ دیدۂ استعداد زیب باغ زندگانی،

زینتِ چراغِ کامرانی، ثمرۂ شجرۂ آمال و امانی، بہار پیرائے گلشنِ رضا جوئی، رونق افزائے

چمن فرخندہ خوئی، مظہر دانش و فرہنگ رائے سنگہ بہ تقاضائے طبع انشاء دوست

استدعا می نمود کہ نسخۂ متضمن بہ منشائتے کہ پسند طبع انشاء طالبان تواند بود ترتیب

باید داد۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ این نسخہ کہ مسمی بہ خلاصۃ المکاتیب

ست درسہ چہل و دو عالمگیری مطابق یکہزار و یکصدی ہجری مرتب گردانیدہ،

یہ تو واضح ہے کہ یہ کتاب بالکل منشیانہ ضرورتون کے لئے لکھی گئی ہے، یعنی اس کا

مقصد صرف یہ بتانا ہے کہ مختلف اشیاء و مناظر کو کس طرح لکھنا چاہئے، مختلف مواقع و

موسم کے بیان مین کن چیزون کو خاص طور پر نمایان کر کے دکھلانا ضروری ہے،

کتاب کا آغاز اخلاقِ حسنہ سے کیا گیا ہے، اس مین عبادت، صحبتِ نیکان، ترک

کبر و رعونت، ادب و تعظیمِ بزرگان، مذمتِ بخل، ترکِ اسراف، آدابِ مجلس وغیرہ

مختلف عنوانات ہین، اس کے بعد بیان تعریف علم، تعریف کارد، تعریف کاغذ،

تعریف خط، بیانِ خوانانیدن طفل، بیانِ منشی گیری کے ابواب ہین، اس کے بعد

بیانِ امساک باران، بیانِ قحط و گرانی، بیانِ بہار برساتی، بیانِ برشگال، بیانِ

بہار نوروزی، بیانِ بہار زمستان، بدائت زمستان، موسم خزان، مزروعات ربیع،

بیانِ میوہا، بیانِ گلہا، بیانِ آبہائے روان، تعریف باغ، تعریف شہر وغیرہ گوناگون

مضامین کو نہایت تفصیل اور سلیقہ سے لکھا ہے،

"بیانِ خوانانیدن اطفال" مین مصنف نے تفصیل کے ساتھ ابتدا سے انتہا تک

درجہ بدرجہ فارسی درسی کتابون کے نام لکھے ہین، مقصود صرف یہ بتانا ہے کہ بچون کو اسی ترتیب کے ساتھ کتابین پڑھائی جائین، اگرچہ یہ کوئی تاریخی کتاب نہین اور نیز خاص طور سے نہ تو قدیم نصابِ درس ہی کو لکھنا اس کا مقصود ہے، تاہم مصنف نے اپنی رائے اور خیالات کے سلسلہ مین جس ترتیب کے ساتھ جن کتابون کے نام لئے ہین، ان سے اتنا تو ضرور ثابت ہوتا ہے کہ گیارہوین صدی مین یہ کتابین پڑھائی جاتی تھین ممکن ہے کہ ہر جگہ بالالتزام یہ تمام کتابین نہ پڑھائی جاتی ہون، لیکن یہ تسلیم کئے بغیر چارہ نہین کہ ان کتابون کا ایک بڑا مشترک حصہ ایسا ضرور ہے جو اس وقت عام طور پر داخلِ درس تھا،

مصنف نے اس باب مین بالترتیب پانچ فنون کی کتابون کا تذکرہ کیا ہے، اور وہ یہ ہین،

(۱) ادب وانشاء

(۲) نظم وشعر

(۳) افسانہ وحکایات،

(۴) تاریخ

(۵) اخلاق

اگر اس موقع پر مصنف کی پوری عبارت نقل کیجائے تو صفحے کے صفحے سیاہ کرڈالنا پڑینگے، جن سے غیر معمولی طوالت ہوگی، کیونکہ قدیم مذاقِ انشا پردازی کی رعایت مین ذرہ سی بات کئی کئی سطرون مین ادا کی گئی ہے، اس بنا پر مین اس غیر ضروری نقل سے

کنارہ کش ہو کر جستہ جستہ عبارت اور تمام کتابون کے نام بہ ترتیب لکھتا ہون،

چھوٹے بچون کی ابتدائی تعلیم کے بعد کے لیے لکھتا ہے،

پس ازان بخواندنِ کتبِ متبرک عندلیب گلستانِ شیراز، بلبل بوستانِ حقیقت و مجاز حضرتِ شیخ مصلح الدین انار اللہ برہانہ، کہ بہ سعدی شیرازی مشہور است چراغِ خرد را روغن اندازد، پس ازین کتب پایہ بہ پایہ خواند، و خوانندہ را در وقت فرصت و ایامِ تعطیل سر کنند تا عبارات مشکلہ کہ دریافتِ آن موقوف بر تکرار است فراموش نگردد،

(۱) اس کے بعد مصنف انشا آموزی کے لیے حسب ذیل کتابون کی طرف رہنمائی کرتا ہے،

بدائع الانشا مشہور بہ انشاے یوسفی،	مرقومات ملا جامی و ملا منیرم
مکتوبات ابو الفضل،	گلدستہ شیخ عنایت اللہ منشی شاہجہان،
بہار سخن از شیخ محمد صالح،	رقعات عالمگیری،
مکتوبات ملا منیر،	منشات شیدا و ملا طغرا،
کارنامہ لعل چند،	کتاب لیلاوتی ترجمہ شیخ فیضی،

بیچ بیچ مین مصنف نے سلسلۂ بیان مین بہت سی مفید ہدایتین بھی لکھی ہین، جن سے درحقیقت غیر معمولی فوائد ہر طالب کو پہنچ سکتے ہین،

(۲) اس کے بعد نظم و شعر کی تعلیم کے متعلق لکھتا ہے،

چون طریقہ خطوط نگاری بدست افتد برائے جلاے طبیعت پایہ بپایۂ کتبِ متعارفہ

کہ۔ ۔ ۔ ۔ اندر بر خواند،

اس سلسلہ مین حسب ذیل کتابون کے نام درج ہین:

یوسف زلیخا، تحفۃ الاحرار، نسخۂ الابرار از ملا جامی، سکندر نامہ، مخزن اسرار، ہفت پیکر، شیرین خسرو، لیلی مجنون از مولٰنا نظامی، قران السعدین، مطلع الانوار، اعجاز خسروی از امیر خسرو دہلوی،

دیوان شمس تبریز۔ دیوان ظہیر فاریابی، دیوان سعدی، دیوان حافظ، قصائد انوری، قصائد خاقانی، قصائد عرفی، دیوان فیضی، دیوان بدر چاچ، دیوان صائب،

(۳) افسانہ و حکایات کے سلسلہ مین لکھتا ہے،

برائے عشرت اندوزی نسخۂ طوطی نامہ نخشبی و انوار سہیلی تصنیف مولانا حسینی واعظ کاشفی، و عیار دانش شیخ ابوالفضل و بہار دانش شیخ عنایت اللہ کہ ہم عبارات غریب و ہم حکایات عجیب و فرح افزاے طبائع ست برخواند،

(۴) اس کے بعد تاریخ کا درجہ ہے لکھتا ہے،

و براے دریافت حقیقت سلاطین پیشین و احوال ممالک، و قواعد و ضوابط سلطنت سیر تاریخ نماید،

اس سلسلہ مین حسب ذیل کتابون کے نام گنائے ہین،

شاہنامۂ فردوسی، ظفر نامہ از شرف الدین علی ترمذی متضمن فتوحات تیموری، اکبر نامہ مشتمل بر احوال اکبر بادشاہ، اقبال نامۂ جہانگیری، تاریخ فیروز شاہی و رزم نامہ ترجمہ مہابھارت

(۵) اس کے بعد تزکیۂ نفس و تصفیۂ اخلاق کی ضرورت پڑتی ہے، یعنی فن اخلاق کا مرتبہ آتا ہے، چنانچہ اس کے لیے لکھتا ہے،

وبرائے تزکیۂ نفس و تصفیۂ اخلاق، اخلاق ناصری، اخلاق جلالی، مکاتبات سید شاہ شرف الدین احمد یحییٰ منیری، نزہتہ الارواح، مثنوی مولوی معنوی، حدیقہ حکیم سنائی بمطالعہ درآورد،

خاتمہ

اسلامی عہد حکومت مین ہندوستان کی اسلامی تعلیم اور تعلیم گاہون کا یہ مختصر سا خاکہ ہے، مین نے علی العلوم اجمال و اختصار سے کام لیا ہے، مزید تفصیل و تشریح کی طرف توجہ کیجائے تو پھر دفتر کا دفتر چاہئے، جس کے لیے نہ موقع ہے نہ وقت، لیکن اس مین کوئی شبہہ نہیں کہ مزید توجہ کے بعد یہ قطرہ دریا بن سکتا ہے،

اگرچہ سلسلۂ نطق من گسست اما — چہ گویم اینکہ ہنوزم چہ آرزو باقیست
بجرعۂ ہمۂ اہل بزم بدمستند — لبالب از مے دوشینہ صد سبو باقیست
ورق تمام شد و قصہ ناتمام بماند — شب آخر آمد و صد گونہ گفتگو باقیست

دار المصنفین کی نئی کتابیں

سیرۃ النبی جلد پنجم

اس جلد کا موضوع عبادت ہے، اس میں پہلے عبادت کی حقیقت اور اس کے اقسام کا بیان ہے، اس کے بعد فرائض خمسہ، نماز، زکوٰۃ، روزہ، حج، اور جہاد پر علیحدہ علیحدہ سیر حاصل بحث ہے آخر میں توکل، صبر، اخلاص، تقویٰ، اور شکر کے معنی و مفہوم قرآن مجید کی تعلیمات کی روشنی میں سمجھائے گئے ہیں، تقطیع کلاں، ضخامت ۳۳۰ صفحے، قیمت قسم اعلیٰ ۵؍ قسم دوم، للعہ

مقالات شبلی جلد سوم، (تعلیمی)

یہ مولنا شبلی مرحوم کے تعلیمی مضامین کا مجموعہ ہے، اس میں مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم، مدرسے اور دار العلوم، درس نظامیہ ندوہ اور نصاب تعلیم، تعلیم قدیم و جدید، اور ریاست حیدرآباد کی مشرقی یونیورسٹی جیسے اہم موضوع پر بصیرت افروز مقالات ہیں، ضخامت ۲۲۰ صفحے، قیمت: ۱۲؍

مقالات شبلی جلد پنجم (تاریخی)

یہ مولنا شبلی کے ان مقالات کا مجموعہ ہے، جو اکابر اسلام کے سوانح و حالات سے متعلق ہیں، اس میں علامہ ابن تیمیہ، ابن رشد، اور زیب النساء کی سوانح عمری، وغیرہ جیسے اہم اور مفید مضامین ہیں، ضخامت ۱۴۰ صفحے قیمت: ۱۲؍

تاریخ صقلیہ جلد دوم

مرتبہ:۔ سید ریاست علی ندوی،

اس میں سسلی کے عہد اسلامی کے تمدنی جغرافیہ، نظام حکومت، زراعت، صنعت، حرفت، تعمیر، تجارت، تہذیب و معاشرت اور علوم و فنون کا تفصیلی مرقع دکھا کر یورپ پر سسلی کے اسلامی تمدن کے اثرات دکھائے گئے ہیں،

ضخامت ۵۰۰ صفحے، قیمت: للعہ

چینی مسلمان

ایک دردمند صاحب قلم چینی مسلمان نے چین کے مسلمانوں کے مذہبی، اخلاقی، تمدنی، سیاسی، اقتصادی اور تعلیمی حالات ہندوستانی زبان میں لکھے ہیں، ضخامت ۲۴۲ صفحے، قیمت: ۱۲؍

(منیجر۔ دار المصنفین اعظم گڈھ)

(طابع:۔ محمد اویس وارثی)
